ہماری لوک کہانیاں
پریم پال اشک

ہماری لوک کہانیاں

پریم پال اشک

ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

پیش لفظ

ھندوستان میں اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے ترقی اردو بیورو (بورڈ) قائم کیا گیا۔ اردو کے لیے کام کرنے والا یہ ملک کا سب سے بڑا ادارہ ہے جو دو دہائیوں سے مسلسل مختلف جہات میں اپنے خاص خاص منصوبوں کے ذریعہ سرگرم عمل ہے۔ اس ادارہ سے مختلف جدید اور مشرقی علوم پر مشتمل کتابیں خاصی تعداد میں سماجی ترقی، معاشی حصول، عصری تعلیمی اور معاشرہ کی دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے شائع کی گئی ہیں جن میں اردو کے کئی ادبی شاہکار، بنیادی متن، قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی وضاحتی فہرستیں تکنیکی اور سائنسی علوم کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصہ میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ترقی اردو بیورو نے اپنے منصوبوں میں کتابوں کی اشاعت کو خاص اہمیت دی ہے۔ کیونکہ کتابیں علم کا سرچشمہ رہی ہیں اور بغیر علم کے انسانی تہذیب کے ارتقاء کی تاریخ مکمل نہیں تصور کی جاتی۔ جدید معاشرے میں کتابوں کی اہمیت مُسلّم ہے۔ بیورو کے اشاعتی منصوبہ میں اردو انسائیکلوپیڈیا، ذولسانی اور اردو۔ اردو لغات بھی شامل ہیں۔

ہمارے قارئین کا خیال ہے کہ بیورو کی کتابوں کا معیار اعلا پائے کا ہوتا ہے اور وہ ان کی ضرورتوں کو کامیابی کے ساتھ پورا کررہی ہیں۔ قارئین کی سہولتوں کا مزید خیال کرتے ہوئے کتابوں کی قیمت بہت کم رکھی جاتی ہے تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے اور وہ اس بیش بہا علمی خزانہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید اور مستفیض ہوسکیں۔

یہ کتاب بھی بیورو کے اشاعتی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ آپ کے علمی ادبی ذوق کے تسکین کا باعث بنے گی اور آپ کی ضرورت کو پورا کرے گی۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو

فہرست

اپنی بات

ہم اپنے بچپن ہی میں اپنی دادی، نانی سے کہانیاں سنتے آئے ہیں۔ اِدھر رات ہوئی، خواہ گرمی کی ٹھنڈی سہانی چاندنی ہو یا جاڑے کی ٹھٹھرتی ہوئی لمبی کالی رات، ہم اپنے اپنے بستروں پر بیٹھے، گرم لحافوں میں دبکے یا ٹھٹکی چاندنی میں پڑے اپنی نانی یا دادی ماں سے ہر روز ایک مزیدار، دلچسپ، اور پُرلطف کہانی کی فرمائش کرنے لگتے اور وہ بڑے چٹخارے لے لے کر کہانیاں سناتی اور کئی بار تو کہانی اتنی مختصر ہوتی کہ آنکھ جھپکانے ہی میں ختم ہو جاتی اور کئی بار نیند کی دیوی ہمیں اپنی گود میں لے لینے کے لیے بے قرار ہوتی اور کہانی ختم ہی ہونے میں نہ آتی۔ آخر ہم پر غنودگی کا عالم طاری ہو جاتا اور کہانی سنتے سنتے ہم سو جاتے۔ بڑی ماں ہمیں سوتا دیکھ کر کہانی وہیں ختم کر دیتی اور باقی کہانی اگلے دن سنانے کے لیے اٹھا رکھتی۔ یہ کیفیت کئی بار رونما ہوتی رہی۔

سینہ بہ سینہ سنی اور سنائی جانے والی کہانی کا نام ہی لوک کہانی ہے۔ ایسی کہانی تحریر میں کم آتی ہے لیکن زبان زدِ عام زیادہ رہتی ہے۔ اکثر کہانیاں تحریر میں آچکی ہیں۔ لیکن لوک کہانیوں کا یہ گنجینہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ سلسلہ روزِ ازل سے جاری ہے اور روزِ ابد تک برقرار رہے گا۔

ان کہانیوں کے لیے کسی نے بھی کوئی خاص اصول مرتب نہیں کیے اور نہ ہی کسی نقاد نے ان کے جزوی عناصر طے کئے ہیں۔ اس کے باوجود قدرتی طور پر کہانی کے بنیادی عناصر خود بخود مرتب ہوتے گئے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کہانیوں میں مزاح کی چاشنی بھی ہوتی ہے اور مہم جوئی کا جذبہ بھی کارفرما رہتا ہے۔ استاد کی فرمانبرداری، والدین کی اطاعت، باہمی محبت، اتحاد، یگانگت، بھائی چارے، لالچ اور ہوس اور بغض و عناد کے انجام جیسے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ایسی کہانیوں کے کردار غیر فطری حرکتیں بھی کرتے ہیں اور ان کی امداد کے لیے غیبی طاقتیں اور فوق البشر کردار ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ ان کہانیوں کے ہیرو جنوں، بھوتوں اور پریوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کی ہیروئنیں پریوں کے دیس میں رہتی ہیں

اور بہت بڑی خوبی ان کہانیوں کی یہ ہوتی ہے کہ آن کا تانا بانا نہایت کسا ہوا ہوتا ہے اور حیرت میں ڈال دینے کا احساس ہر قدم پر غالب رہتا ہے اور کہانی سننے والا اگلا واقعہ سننے کے لیے ہر وقت بےتاب رہتا ہے۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ لوک کہانی کا انجام المیہ نہیں ہوتا۔ یہ کوئی طے شدہ اصول تو نہیں ہے۔ لیکن عام طور پر لوک کہانی کا انجام طربیہ ہی ہوا کرتا ہے۔ یعنی کہانی ہنسی خوشی، شادی بیاہ یا میل ملاپ کے پہلو پر آکر ختم ہوتی ہے۔ المیہ انجام صرف 25 فیصد کہانیوں کا ہوا کرتا ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں جن سے لوک کہانی کا خمیر اٹھتا ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر لوک کہانیوں میں کس قسم کی کہانیاں شامل ہیں۔ عام طور پر ہماری لوک کہانیاں مندرجہ ذیل انداز کی کہانیوں پر مشتمل ہوا کرتی ہیں۔

1۔ نصیحت آموز کہانی

2۔ تیج تہوار پر رکھے گئے برت کی کہانی

3۔ پریم کہانیاں

4۔ تفریحی کہانیاں

5۔ سماجی کہانیاں

6۔ تاریخی کہانیاں

نصیحت آموز کہانیاں، پنچ تنتر اور ہتو اپدیش کی کہانیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ پنچ تنتر کے مصنف وشنو شرما تھے۔ یہ تمام کہانیاں سنسکرت میں ہیں۔ اس کے پانچ حصے ہیں۔ یہ ہندوستان کی قدیم ترین طبع زاد تصنیف تصور کی جاتی ہے۔ سنسکرت ادب میں اسے لافانی مقام حاصل ہے۔ اس میں پرندوں اور جانوروں کے ذریعہ پندو نصیحت کے سبق پڑھائے گئے ہیں۔ اس کے بعد ہتو اپدیش کا شمار ہوتا ہے۔ اسے بھی سنسکرت ادب میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ ان اخلاقی کہانیوں میں ہتو اُپدیش کا منفرد مقام ہے۔ یہ تصنیف 14 ویں صدی کے قریب منظرِ عام پر آئی۔ اس کے خالق نارائن پنڈت تھے جو بنگال کے راجہ دھوول چند کے درباری تھے۔ اس کی بیشتر کہانیاں پنچ تنتر سے لی گئی ہیں۔

تیج تہوار پر رکھے گئے برت — پُورن ماشی کی کتھا، کرواچوتھ کی کتھا اور ست نارائن کی کتھا اور دیگر مقامی تہواروں پر رکھے برت پر سنائی گئی کہانیاں ان میں شامل ہوتی ہیں۔

جو پریم کہانیاں ہمارے ملک میں مروّج ہیں وہ بھی لوک

کہانیوں میں شامل ہوتی ہیں۔ تفریحی کہانیاں، پری کتھائیں، جادوئی کہانیاں اور جنوں بھوتوں اور پریتوں کی کہانیاں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔

سماجی کہانیوں میں دیہات اور شہروں میں رونما ہونے والے واقعات کی یادیں تازہ کی جاتی ہیں، جن میں والدین کے تئیں عقیدت، استادوں کے تئیں وفاداری، بغض و عناد کے نتائج اور دیگر سودمند پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

پُورانک کہانیوں میں ہماری مذہبی کتب میں درج دیوی دیوتاؤں کی دیومالائی کہانیاں شامل ہوتی ہیں۔ اس ذیل میں شیو پران، بھاگوت پران مہابھارت اور رامائن کی کہانیاں آتی ہیں۔

تاریخی کہانیوں میں ہماری تاریخ میں درج معروف و غیرمعروف واقعات کو قصے کہانیوں کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس میں بیتال پچیسی، جاتک کتھائیں، بیربل اور اکبر کی کہانیاں، راجہ بکرماجیت کے علاوہ دیگر اہم اور غیراہم تاریخی ہستیوں کے کارنامے تازہ کیے جاتے ہیں۔

لوک کہانیوں کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یوں تو ان کے مطالعہ سے پوری دنیا کی تہذیب اور تمدن کا پتہ

چلتا ہے اور پوری دنیا ایک کنبے کی طرح نظر آتی ہے لیکن ہندوستان جیسے وسیع اور عریض ملک کے لیے کہ جہاں مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کی کیفیت گلہائے رنگا رنگ کی سی ہے، جہاں کا جغرافیائی ماحول بھی گوناگوں کیفیت کا حامل ہے۔ لداخ سے کنیا کماری اور گجرات سے بنگال تک کہیں یخ بستہ ماحول نظر آتا ہے تو کہیں تپتا صحرا کہیں گھنے جنگلات کی گرم مرطوب آب و ہوا کا لطف آتا ہے تو کہیں سمندر کی روح پرور لہروں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کروڑوں عوام کے اتنے بڑے ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، مختلف عقائد اور نظریات کے حامل لوگ یک جان دو قالب کی طرح رہتے ہیں۔

لوک کہانیوں کے اس کام کی تیاری اور مطالعے کے دوران مجھے ایک کیفیت بار بار محسوس ہوئی کہ اس وسیع و عریض عظیم ملک کے لاتعداد عوام کو موتیوں کی ایک مالا کی طرح ایک لڑی میں پرونے کا سہارا ہماری لوک کہانیوں کے سر ہی بندھتا ہے۔ کشمیر سے کنیا کماری تک پورے ہندوستان میں ایک ہی انداز کی لوک کہانیوں کا چلن ہے۔ پنچ تنتر، پری کتھائیں، پورانک کتھائیں اور راجہ بکرماجیت کی کہانیاں ہر جگہ بڑے شوق سے سنی اور سنائی

جاتی ہیں۔ اندازِ بیان ذرا مختلف اور بولی ٹھولی میں ذرا فرق اور یہی امتیاز کثرت میں وحدت کا مظہر ہے جو ہندوستان کو ہندوستان بناتا ہے۔ اس میں قومی یک جہتی کا صحیح جذبہ کارفرما ہے۔ اسی جذبے سے تحریک لے کر میں نے یہ کام کیا ہے۔ امید ہے اہلِ ذوق حضرات پسند فرمائیں گے۔

پریم پال اشک
اے۔۴۴ گروپ III
پاکٹ بی۔ دلشاد گارڈن دلی ۹۵

آسام

ہیرے موتی کا درخت

یہ اس پرانے زمانے کی بات ہے جب آدمی اور جانور ایک جیسی بولی بولتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی زبان سمجھتے اور آپس میں بات چیت کر سکتے تھے۔ اس زمانے میں دریائے چمپاوتی کے کنارے ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ ایک روز راجہ اپنے باغ میں ٹہل رہا تھا۔ اچانک اُس نے دیکھا کہ دو کوّے آپس میں محوِ گفتگو ہیں۔ اُن میں سے ایک کالا کوّا تھا اور دوسرا سفید۔ راجہ چپکے سے اُن کی باتیں سُننے لگا۔

سفید کوّے نے پوچھا۔ "کیوں بھائی! تم لوگ یہاں کیا کھاتے ہو؟"

کالے کوّے نے جواب دیا۔ "بھائی ہم لوگوں کو کیا ملتا ہے۔ یہی کیڑے مکوڑے اور جو کھٹن وغیرہ کھاتے ہیں! تمھیں کیا ملتا ہے؟"

سفید کوّا بولا۔ "ہم لوگ تو ہیرے موتی چگتے ہیں۔ ہمارے یہاں ہیرے موتی کے درخت ہوتے ہیں۔ ہمارا دیس سات سمندر پار ہے۔"

پھر دونوں کوّے اُڑ گئے۔ لیکن راجہ کو چین کہاں ؟ وہ تو سات سمندر پار سے ہیرے موتی کے درخت منگانے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ اس نے فوراً اپنے درباریوں کو بلایا اور کہا۔ "جو کوئی سات سمندر پار سے مجھے ہیرے موتی کا ایک درخت لاکر دے گا اُسے میں دھن دولت سے مالا مال ہی نہیں کر دوں گا بلکہ اپنا وزیر بھی بنا دوں گا۔" لیکن کسی کو اس کام کا بیڑا اُٹھانے کی ہمّت نہ ہوئی۔ راجہ نے دربار برخاست کر دیا اور اپنے راج میں منادی کرادی کہ جو کوئی اس کام کو پورا کرے گا مہاراج اُسے اپنا وزیر بنائیں گے اور انعام و اکرام سے نہال کر دیا جائے گا۔

اس راجہ کے دیس میں ایک غریب شخص رہتا تھا۔ اُس کی دو بیویاں تھیں پہلی بیوی کے ایک لنگڑا لڑکا پیدا ہوا۔ اُس لیے گھر میں کوئی اُس کی عزت نہیں کرتا تھا۔ دوسری بیوی کے چھ لڑکے ہوئے۔ سب لڑکے تندرست اور توانا تھے۔ اس لیے اس عورت کی گھر میں خوب عزت ہوتی تھی۔

جب اُن چھ لڑکوں نے راجہ کا اعلان سنا تو یہ راجہ کے دربار میں پہنچے اور کہنے لگے۔ "ہم سات سمندر پار سے ہیرے موتی کے درخت ڈھونڈنے جائیں گے۔" راجہ نے اپنے خزانچی کو حکم دیا۔ "سرکاری خزانے سے ان لوگوں کو زادِ راہ دے دیا جائے اور ساتھ ہی سفر کے دوران استعمال کی جانے والی تمام ضروری اشیا فراہم کر دی جائیں۔"

وہ سب ایک جہاز میں زادِ راہ کے طور پر تمام ضروری اشیا اور زرِ کثیر لاد کر سفر پر چل دیئے۔

اُدھر جب لنگڑے لڑکے کو علم ہوا کہ اُس کے بھائی ہیرے موتی کے درخت کی تلاش میں گئے ہیں تو وہ بھی اپنی ماں کے پاس پہنچا اور جانے کی اجازت مانگی۔ اس لڑکے کا نام روہئی تھا۔ اُس کی ماں نے اُسے بہتیرا سمجھایا "بیٹا روہئی تو تو لنگڑا ہے۔ تجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔" مگر روہئی نہ مانا۔ اُس کے باپ نے بھی اُسے ڈانٹ ڈپٹ کر روکنا چاہا۔ مگر پھر بھی وہ کسی طرح نہ مانا۔

آخر جوں توں کر کے روہئی بھی راجہ کے پاس پہنچا اور ہیرے موتی کا درخت تلاش کرنے کی اجازت مانگی۔ راجہ نے اُسے بھی سرکاری توشہ خانے سے ضرورت کی چیزیں لینے کی اجازت دے دی۔

روہئی نے تھوڑی سی کھانے کی چیزیں لیں اور پھر وہ شاہی اصطبل میں آ پہنچا۔ وہاں عمدہ نسل کے اچھے سے اچھے اور طاقتور گھوڑے تھے۔ لیکن اس نے ان کی جانب آنکھ تک نہیں اُٹھائی۔ اس نے ایک ایسا مریل گھوڑا لیا جس کے پاس کوئی پھٹکتا تک نہ تھا۔ وہ گھوڑا اپنے انتخاب پر بے حد خوش تھا۔ وہ بولا۔ "تم نے مجھے چن کر اچھا کیا۔ میں تمھارے بہت کام آؤں گا۔ لیکن میرے سُم میں ایک سونے کی کیل پھنس گئی ہے۔ اگر تم

اُسے نکلوا دو تو بہتر ہو گا۔"

روہئی فوراً ایک لوہار کے پاس گیا اور اس سے چمٹی مانگ لایا۔ اس نے کیل نکال دی۔ گھوڑے نے سکھ کا سانس لیا۔ اس نے لنگڑے کو اپنی پیٹھ پر بٹھایا اور آناً فاناً ہوا میں اُڑنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُسے یم راج یعنی ملک الموت کی سلطنت میں لے آیا۔ یم راج کی ایک لڑکی تھی۔ جس کے لیے اُسے ایک مدت سے ایک مناسب لڑکے کی تلاش تھی۔ یم راج نے روہئی کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ وہ ضرور کوئی مقدر کا سکندر ہے۔ اس لیے لڑکی کی شادی روہئی سے کر دی۔ یم راج نے اپنی بیٹی کو بدا کرتے وقت یہ کہہ دیا کہ مردے کے سر پر ہاتھ رکھو گی تو وہ جی اُٹھے گا۔

وہ لوگ وہاں سے چل پڑے اور چوتھے دن کبوتروں کے دیش میں پہنچے۔ کبوتروں کے راجہ نے بھی اپنی لڑکی کی شادی روہئی سے کر دی۔ کیونکہ وہ اُسے بہت خوش قسمت سمجھتا تھا۔ کبوتروں کے راجہ نے اُسے جہیز میں دو جادوئی کبوتر دیئے۔

اس طرح وہ سانپوں کے دیس ناگ لوک میں پہنچا۔ وہاں ناگ راجہ نے بھی اپنی لڑکی کی شادی اُس سے کر دی۔ اُس نے دو سانپ بھی جہیز میں دے دیئے۔

آخر روہئی اپنی تینوں بیویوں کے ساتھ گدھوں کے دیس میں پہنچا۔ گدھ

راج بھی اس سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دی اور ساتھ ہی اس نے سات سمندر پار سے لایا ہوا ہیرے موتی کا درخت بھی جہیز کے طور پر دے دیا۔

اب یہاں سے روہئی کا سفر ختم ہو گیا۔ کیونکہ اُسے راجہ کے لیے جس ہیرے موتی کے درخت کی ضرورت تھی وہ مل گیا تھا۔ اُس نے سارا سامان ایک بڑے سے جہاز میں لدوایا اور اپنی چاروں بیویوں کو ساتھ لے کر گدھ راج سے وداع لی۔

ادھر روہئی کے دوسرے چھ بھائی اپنے مقصد میں اِدھر اُدھر بھٹک رہے تھے۔ راستے میں انہیں روہئی کا جہاز ملا۔ انھیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ لنگڑا کہاں سے اتنی خوبصورت لڑکیاں بیاہ لایا۔ انھیں محسوس ہوا کہ شاید اُسے ہیرے موتی کا درخت مل گیا ہے۔ اس لیے وہ اتنا خوش نظر آ رہا ہے۔

وہ لوگ اُس کے پاس آئے اور نہایت میٹھی آواز میں بولے "کون! ارے یہ تو اپنا روہئی معلوم ہوتا ہے۔ کہو بھائی روہئی کیسے ہو؟ ہم لوگ بھی گھر لوٹ رہے تھے۔ تم کہو تو ساتھ ساتھ چلیں۔ بولو آ جائیں تمھارے جہاز میں!"

روہئی اُن کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا۔ اُس نے انھیں جہاز میں بٹھا لیا۔ مگر اُن کی نیت تو خراب تھی۔ انھوں نے ایک روز موقع دیکھ کر سمندر

میں پھینک دیا۔ روہنی کی تمام بیویاں روئیں، چلائیں۔ انھوں نے ان کی ایک نہ سنی۔ آخر یم راج کی لڑکی نے کہا۔ "اچھا تم لوگوں نے انھیں مار ڈالا ہے۔ لیکن اُن کی لاش مجھے لے لینے دو۔ گھر پہنچ کر ہم ان کا آخری سنسکار کریں گی"۔ اُس نے یہ کہہ کر روہنی کی لاش پانی سے نکلوا کر جہاز میں رکھ دی اور سب گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔

گھر پہنچ کر یہ چھیوں بھائی راجہ کے دربار میں پہنچے اور اُسے بتایا کہ ہم سات سمندر پار سے ہیرے موتی کا درخت لے آئے ہیں۔ راجہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اُس نے درخت دکھانے کو کہا۔ لیکن یہ درخت گدھ راج نے روہنی کے لیے ایک بڑے سے ڈبے میں بند کر رکھا تھا۔ سب بھائی اُس ڈبے کو کھولنے لگے مگر ڈبہ نہ کھلا۔

اتنے میں یم راج کی لڑکی راجہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی اور اُس نے راجہ کو سب کچھ بتا دیا۔ وہ اپنے مردہ شوہر کی لاش دربار میں لے آئی اور راجہ کے سامنے ہی اُسے زندہ کر دیا۔ روہنی نے زندہ ہو کر اُس ڈبے کو کھول دیا۔

راجہ اس ہیرے موتی کے درخت کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اُس نے اپنے وعدے کے مطابق روہنی کو انعام و اکرام سے مالا مال ہی نہیں کیا۔ بلکہ اُسے اپنا وزیر بھی بنا لیا۔ اور اس کے چھ بھائیوں کو دھوکہ دینے کے جرم میں

جیل بھیج دیا۔

روہی وزیر بن گیا اور اپنے دن سکھ چین سے گذارنے لگا۔

چند برس تو بڑے مزے سے کٹے۔ مگر ایک بار پھر روہی پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس راجہ کا ایک نائی تھا۔ وہ پرلے درجے کا عیار اور مکار تھا۔ اسے یہ دیکھ کر حسد ہوتا تھا کہ یہ لنگڑا وزیر کیسے بن گیا۔ وہ اُسے نیچا دکھانے کے منصوبے سوچنے لگا۔

ایک دن اس نے راجہ کی حجامت بناتے ہوئے موقعہ دیکھ کر کہا۔ "مہاراج! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا وزیر روہی بہت ہوشیار اور قابل ہے۔ مگر ہیرے موتی کا پیڑ لانا کوئی کارنامہ تو نہ ہوا۔ یہ تو کوئی بھی لا سکتا تھا۔ یہ اُس نے کون سا تیر مارا۔ اس سے بڑھ کر کام کر کے دکھائے تو جانیں۔"

"وہ کون سا کام ہے ذرا ہم بھی تو سنیں" راجہ نے مسکرا کر پوچھا۔

نائی نے جواب دیا۔ "مہاراج کام تو اتنا بڑا نہیں۔ لیکن ہمارے روہی مہاراج اُسے شاید ہی کر سکیں۔"

"ارے بتاؤ تو سہی۔" راجہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"مہاراج! پہلے کھیت میں دو گاڑی سرسوں چھڑکوا دیجئے۔ پھر اُسے کہئے کہ سرسوں کا ایک ایک دانہ چن کر دونوں گاڑیوں میں بھر دے۔ وہ بھی رات بھر میں۔" نائی نے کہا۔

"ارے یہ بھی کوئی کام ہے۔ کوئی بڑی سی ذمہ داری سونپی ہوتی۔ ہمارا روہی بڑا ہوشیار ہے۔ وہ تو یہ کام چٹکیوں میں کر دے گا۔" راجہ بولا۔

اس نے فوراً ایک کھیت میں دو گاڑی سرسوں چھڑکوا دی اور روہی کو اپنے حضور میں طلب کیا اور حکم دیا کہ وہ سرسوں کا ایک ایک دانہ چن کر دونوں گاڑیوں میں بھر دے ورنہ وزارت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور کھیت کھلیان اور مال جائداد سب کچھ ضبط کر لیا جائے گا۔

روہی بہت گھبرایا۔ اُس نے سوچا کہ اب خیر نہیں۔ اُسے اُداس دیکھ کر کبوتروں کے راجہ کی لڑکی نے پوچھا۔ اُس نے پریشانی کے عالم میں ساری کیفیت بیان کر دی۔ اُس نے کہا "بس اتنی سی بات ہے جس کے لیے آپ اتنے اُداس ہو گئے۔ آپ آرام سے بیٹھئے۔ میں سارا کام کروں گی۔"

اس نے اپنے جادوئی کبوتروں کو حکم دیا۔ وہ فوراً آ گئے اور اپنے سارے کبوتر بلا لیے۔ سب کبوتروں نے مل کر رات بھر میں ساری سرسوں کا ایک ایک دانہ چن کر دونوں گاڑیاں بھر دیں۔ صبح راجہ نے دیکھا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اس کا وزیر کیسا قابل اور ہوشیار شخص ہے اور بہادر بھی۔

مگر نائی کو چین کہاں؟ وہ تو روہی کو نیچا دکھانے پر تلا ہوا تھا۔ وہ کوئی اور ترکیب سوچنے لگا۔

اس نے ایک دن پھر راجہ کے کان بھر دیئے اور کہا کہ ایسے وزیر تو بس نام کے ہوشیار ہوتے ہیں۔ ہوشیاری تو تب ہے کہ آپ کا روہیؔ رات بھر میں دو بڑے تالاب کھود کر رکھ دے۔

"ارے بھائی جو ہیرے موتی کا پیڑ لا دے، رات بھر میں سرسوں کا ایک ایک دانہ چن کر دو گاڑیاں بھر دے۔ اُس کے لیے یہ کام تو بچوں کا کھیل ہے۔" راجہ نے کہا۔ "دیکھئے ہمارا روہیؔ کوئی ایسا ویسا نہیں ہے۔ تمھاری تسلی کے لیے یہ کام بھی کر دکھائے گا۔" اس نے روہیؔ کو طلب کیا اور حکم دیا۔ "روہیؔ! ہمارے شہر میں پانی کی بڑی قلت ہے۔ اس سال بارش ہوئی نہیں۔ پانی سے لبالب دو بڑے تالاب تیار ہو جانے چاہئیں۔ تاکہ ہماری رعایا کو سہولت ہو اور پانی سب کو فراہم کیا جاسکے۔ یہ کام تمھیں کرنا ہی ہوگا۔ اگر رات بھر میں یہ کام مکمل نہ ہو تو کل تمھاری گردن اُڑا دی جائے گی۔"

روہیؔ پریشان ہو اُٹھا اور اسی پریشانی کے عالم میں وہ گھر آگیا۔ اُس نے سارا حال اپنی بیویوں کو کہہ سنایا۔ یہ سن کر ناگ راج کی لڑکی بولی: "اس میں چنتا کرنے کی کون سی بات ہے! میرے پتا جی نے جو دو سانپ جہیز میں دیئے تھے وہ کب کام آئیں گے۔ آپ چین کی بنسی بجائیے۔ میں سب کام کرا دوں گی۔"

ناگ راج کی بیٹی نے فوراً اپنے سانپوں کو بلایا اور انھیں تالاب تیار کرنے کا

حکم دیا۔ حکم سنتے ہی وہ گئے اور کئی ہزار سانپ اور بلا لائے۔ سب نے مل کر رات بھر میں راجہ کے محل کے سامنے پانی سے لبالب بھرے وہ بڑے بڑے تالاب تیار کر دیئے۔

اگلے روز جب راجہ سو کر اُٹھا تو دانتوں تلے اُنگلی دبا کر رہ گیا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے پانی سے بھرے دو تالاب محل کے سامنے دیکھ لیے۔ تبھی اس نے روہئی کو بلا کر شاباش دی۔ اب روہئی پھر سکون سے رہنے لگا۔ راجہ کی نگاہوں میں اس کا وقار اور بڑھ گیا۔

لیکن اس شیطان فطرت نائی کو چین کہاں؟ وہ روہئی کی اس ترقی سے جل بھن کر کوئلہ ہو گیا۔ اب وہ ایسی تدبیر لڑانا چاہتا تھا کہ روہئی ختم ہو جائے اس نے پھر سوچنا شروع کیا۔

چند دنوں ہی میں اس نے ایک اور تدبیر سوچی۔ وہ دوڑا دوڑا راجہ کے پاس گیا اور کہا۔ "مہاراج! جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔"

راجہ بولا۔ "کہو کہو۔ بھلا ہم بھی تو سنیں کیا بات ہے۔؟"

اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ "مہاراج! آپ کا وزیر روہئی تو بڑا ہوشیار اور چالاک ہے۔ وہ بلا کا بہادر بھی ہے۔ یہ بات تو ساری دنیا جانتی ہے۔ وہی سورما تھا جو ہیرے موتی کا پیڑ لے آیا۔ اس نے اپنی چالاکی سے سرسوں کا ایک ایک دانہ چن کر دو گاڑیوں میں لاد دیا اور اس

محنتی آدمی نے ایک نہیں دو تالاب راتوں رات کھدوا دیئے اور اُن میں پانی بھی بھروا دیا۔ لیکن مجھے یقین تب آئے گا اس کی بہادری کا اگر آپ کے منتری جی، سورگ میں جاکر آپ کے پتا کے انگوٹھے کا نشان لاکر دیں۔ مہاراج میں تو تبھی اسے اس عہدے کے لائق سمجھوں گا۔ اگر وہ یہ کام بھی کر دکھائے۔" راجہ کا اپنا دماغ تو تھا نہیں۔ اُس نے سوچا۔ "لگے ہاتھوں یہ بھی امتحان لے لیا جائے۔" اُس نے فوراً روہئی کو طلب کیا اور کہا۔" روہئی جی! ہمیں سورگ لوک سے اپنے پتا جی کی کوئی خیر خبر نہیں آئی۔ تم وہاں جاکر ذرا اُن سے مل آؤ۔ پوچھنا انھیں کسی بات کی تکلیف تو نہیں۔ لوٹتے وقت اُن کے انگوٹھے کا نشان لیتے آنا۔ تاکہ کوئی ان کی نشانی تو ہمارے پاس رہے۔ راجہ نے ایسے کہا جیسے سورگ لوک کوئی دوسرا شہر ہو جہاں سے لوگ چند دن بعد لوٹ آتے ہیں۔"

روہئی تو اس بار بالکل مایوس ہو گیا۔ اُس نے سمجھ لیا کہ اپنے تو آخری دن آ گئے۔ گھبرا کر اس نے اپنی بیویوں سے بات کی اور ہمیشہ کے لیے بدا مانگی۔ مگر یم راج کی لڑکی بولی۔ "آپ گھبرائیے نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے پتا نے مجھے بر دیا تھا کہ آپ سانپوں سے ڈسوا کر سورگ چلے جائیں۔ میں آپ کو پھر زندہ کر دوں گی۔"

اُدھر نائی یہ جاننا چاہتا تھا کہ دیکھیں یہ سورگ کیسے جاتا ہے یا ادھر اُدھر کی ہانک کر کہیں سے جھوٹا نشان لے آتا ہے۔ وہ چپ چاپ روہئی کے

گھر جاکر چھپ گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ سانپوں کے کاٹنے سے روہنی مرگیا ہے یہ دیکھ کر اُسے بے حد خوشی ہوئی۔ روہنی کی بیویوں نے اس کی لاش کو ایک چٹائی پر رکھ دیا۔ ایک گھنٹے بعد اس کی ایک بیوی کہ جو یم راج کی لڑکی تھی نے پاس بیٹھ کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ ہاتھ پھیرتے ہی تھوڑی دیر میں روہنی زندہ ہو گیا۔

نائی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ اُسے بھوت پریت سمجھ کر چپ چاپ وہاں سے بھاگ آیا۔ کچھ دیر بعد روہنی راجہ کے دربار میں پہنچا۔ اس نے راجہ کو اس کے باپ کے انگوٹھے کا نشان دکھاتے ہوئے کہا۔ "مہاراج! آپ کے پِتاجی یعنی بڑے مہاراج سورگ میں پورے آرام سے ہیں۔ لیکن ایک بات کی انھیں بڑی تکلیف ہے سورگ لوک میں کوئی نائی نہیں ہے۔ سب نائی نرک میں چلے گئے ہیں۔ اس لیے ان کی حجامت بہت بڑھ گئی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ اپنے نائی کو فوراً بھیج دو۔"

راجہ سورگ سے اپنے باپ کی خیر خبر پاکر بہت خوش ہوا۔ اس خدمت کے عوض اس نے روہنی کو بہت سارا انعام دیا اور رہنے کو محل بھی عطا کر دیا۔ راجہ آخر اپنے باپ کا فرمانبردار بیٹا تھا۔ باپ کو سورگ میں کوئی تکلیف ہو وہ کیوں کر برداشت کرسکتا تھا۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ فوراً نائی کو طلب کیا اور حکم دیا کہ سورگ لوک جاکر بڑے مہاراج کی حجامت بناکر آؤ۔

نائی راجہ کی حکم عدولی کیسے کرسکتا تھا۔ وہ روہنی کے گھر کا تماشا دیکھ ہی آیا تھا۔اس کے دل میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ سانپوں سے ڈسوا کر مرجانے سے اگر اس کی بیوی اس کے سر پہ ہاتھ پھیر دے گی تو وہ زندہ ہو جائے گا۔

نائی سورگ جانے کے لیے راضی ہو گیا۔ گھر آکر اس نے اپنی بیوی سے کہا "بھاگوان میں خود کو سانپ سے ڈسوا کر سورگ جاتا ہوں۔ بڑے مہاراج کی حجامت بنا کر اور بڑے مہاراج سے انعام لے کر ایک دو گھنٹے میں لوٹ آؤں گا۔ تم میرے سر پہ ہاتھ پھیرنا میں فوراً جی اٹھوں گا۔ پھر مہاراج سے بھی انعام ملے گا رہنے کو محل بھی۔ ہم مالا مال ہو جائیں گے۔" نائی ایک سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

اس کے بعد نائی نے خود کو ایک سانپ سے ڈسوا لیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی جان نکل گئی۔ اس کی بیوی اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتی رہی۔ لیکن سب بیکار۔ جب دوسرے دن بھی نائی نہیں اٹھا تو لوگوں نے اس کی لاش کو جلا دیا۔ راجہ نے سوچا کہ چونکہ سورگ میں کوئی نائی نہیں ہے اس لیے مہاراج نے اسے وہیں روک لیا ہے۔ لہٰذا اگلے دن دوسرے شاہی حجام کا انتظام کر لیا گیا۔

اس طرح روہنی کو اس کینہ فطرت نائی سے چھٹکارا مل گیا۔ اب اس کے خلاف راجہ کے کان بھرنے والا کوئی نہ تھا۔ راجہ بھی روہنی سے بہت خوش

تھا۔ پھر روہی نے اپنی ماؤں اور بوڑھے باپ کو محل میں بلا لیا اور ان کی خوب خدمت کرنے لگا۔ اس نے راجہ سے اپنے بھائیوں کی نیک چلنی کی سفارش کی اور جب راجہ کو تسلی ہو گئی کہ اس کا اپنا وزیر روہی اپنے بھائیوں کی نیک چلنی کی ضمانت دے رہا ہے تو انھیں جیل سے چھوڑ دیا گیا۔ تمام بھائیوں نے تنکے منہ میں رکھ کر اپنے کیے کی معافی مانگی۔ پھر سب مل جل کر سکھ چین سے رہنے لگے۔

آندھرا پردیش

راجہ کا سردرد

پرانے زمانے میں اجین کے مہاراجہ وکرماجیت عرف راجہ بھوج کا شمار ملک کے عظیم بادشاہوں میں ہوتا تھا۔ وہ بہت بڑے عالم اور مدبّر اور دانشور تھے۔ ادب اور فنون لطیفہ کے رسیا بھی۔ انھوں نے ادب اور فن کی ترقی اور ترویج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس لیے انھوں نے کئی ادیبوں اور فن کاروں کی سرپرستی کی اور انھیں اپنے دربار میں موزوں مقام عطا کیا اور اپنے نورتنوں میں شامل کیا۔ سنسکرت ادب بھی انھیں کی زیرِ سرپرستی خوب پروان چڑھا۔

مہاراجہ وکرماجیت سفر بہت کیا کرتے تھے۔ اکثر اوقات وہ اپنی رعایا کا حال جاننے کے لیے بھیس بدل کر تنہا ہی نکل پڑتے تھے۔ ایسے ہی ایک سفر کے دوران وہ ایک آشرم میں جا پہنچے اور وہاں رات بھر قیام کیا۔ دوسرے روز انھوں نے علی الصبح ایک حیرت انگیز منظر دیکھا کہ ایک نوجوان رشی ڈھیر سا پانی پی رہا ہے۔

"تم اتنا کیوں پیتے ہو؟" مہاراج نے پوچھا۔"کیا اس سے تمھارا پیٹ خراب نہیں ہوگا؟"

"بالکل نہیں" رشی نے جواب دیا۔" یہ تو جسم کی ساری گندگی دھو ڈالتا ہے اور دل میں ناپاک خیالات بھی پیدا نہیں ہوتے۔ یعنی تن اور من دونوں دُھل جاتے ہیں۔

" مجھے تمھاری اس بات پر یقین نہیں آتا۔" مہاراج نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"یہ بالکل سچ ہے۔" رشی نے جواب دیا۔"یہ میں اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔ بڑے بڑے یوگی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔"

جب مہاراجہ وکرماجیت اپنے محل میں واپس آئے انھوں نے اپنے ایک اہلکار کو حکم دیا۔" ہر روز صاف شفاف پانی کی ایک صراحی میرے سونے والے کمرے میں رکھ دیا کرو سمجھے۔"

مہاراجہ وکرماجیت ہر روز صبح کافی بڑی مقدار میں پانی پیتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آن کی طبیعت بہت ہشاش بشاش رہنے لگی۔ ایک رات جب شاہی ملازم صراحی پانی بھر رہا تھا تو ایک چھوٹا سا مینڈک اس میں چلا گیا۔ اگلے روز جب مہاراج نے پانی پیا تو انجانے میں مینڈک بھی نگل گئے۔

ننھا سا مینڈک پیٹ میں کلبلانے لگا اور وہاں سے نکل بھاگنے کے لیے اس نے اوپر کی جانب رینگنا شروع کر دیا۔ اوپر جاتے جاتے وہ مہاراج کے

سر میں پہنچ گیا اور دماغ میں پھنس گیا۔

مہاراج کے سر میں شدید درد رہنے لگا۔ اچھے سے اچھے وید طلب کیے گئے۔ مگر کوئی بھی ان کی بیماری کا علاج نہ کرسکا۔ راجہ کی حالت دن بہ دن گرتی جارہی تھی اور اُدھر اُن کی بیماری اور علاج کی بات سارے ملک میں جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔

کیرل کے دھنونتری نامی ایک نامور وید نے بھی یہ کہانی سُنی۔ انھوں نے مہاراجہ وکرماجیت کا علاج کرنے کے لیے اجین جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اُن دنوں کیرل سے اُجین جانا جوئے شیر لانے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اُس کے لیے طویل مسافت طے کرنی پڑتی تھی۔

آخر دھنونتری اُجین پہنچ گئے۔ راج دربار میں پہنچے تو راج وید مہاراجہ کے جینے کی آس چھوڑ چکے تھے۔ محلوں میں پہنچنے کے بعد دھنونتری کو فوراً مہاراجہ وکرماجیت کی آرام گاہ میں لے جایا گیا۔ انھوں نے مہاراجہ کا طبّی معائنہ کیا اور سب کو وہاں سے باہر جانے کو کہا۔ مگر مہاراجہ کے عزیز و اقارب اور راج وید یعنی شاہی طبیب کمرے سے باہر جانے کو آمادہ نہ تھے۔ دھنونتری نے انھیں یقین دلاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ میں مہاراج کو تندرست اور صحت یاب کرسکتا ہوں۔“

جب یہ سن کر سب کمرے سے باہر چلے گئے تو دھنونتری بے ہوش مہاراجہ کے قریب بیٹھ گئے۔ انھوں نے اپنے تھیلے میں سے ایک مرہم نکالا اور راجہ کے سر پر

آہستہ آہستہ ملنا شروع کر دیا۔ اس کے چند منٹ بعد جراحی کے نہایت تیز آلات کے ساتھ بڑی ہوشیاری اور صفائی سے جراحی کا عمل شروع کر دیا اور تھوڑی دیر میں ہی مہاراجہ وکرماجیت کی کھوپڑی کا اوپری حصّہ علیحدہ کر دیا۔ وہ مہاراج کے دماغ میں ننھے سے مینڈک کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے مینڈک بے ہوش پڑا تھا۔

دھنونتری ایک بڑی الجھن میں گرفتار ہو گئے کہ اس مینڈک کو باہر کیسے نکالا جا سکے۔ اگر وہ جراحت کا عمل کرنے کے لیے کوئی آلہ استعمال کرتے ہیں۔ تو مہاراج کے دماغ کو ضعف پہنچ سکتا ہے۔ وہ مہاراج کو پریشانی اور تردّد کے عالم میں تکتے رہے۔ کیا اُس کا آیورویدک علم ایک مینڈک کے سامنے بےکار ہو جائے گا۔

تبھی انھوں نے سُنا کوئی پھسپھسا رہا تھا۔ "راجہ کے سر کے پاس پانی کی چلمچی رکھ دو۔"

"بہت اچھی تدبیر ہے۔" وید نے سوچا۔ تبھی انھوں نے پانی سے بھری ایک چلمچی مہاراجہ وکرماجیت کے سر کے قریب رکھ دی اور وہ اپنے ہاتھ سے پانی کو چھپ چھپانے لگے۔ مینڈک ہوش میں آ گیا اور فوراً چلمچی میں کود گیا۔

دھنونتری نے سکھ کا سانس لیا۔ انھوں نے جھٹ پٹ مہاراج کے سر کے دونوں ٹکڑوں کو جوڑ کر دوسری بوتل میں سے ایک اَچوک مرہم کا لیپ

کر دیا اور اُس کے تھوڑی دیر بعد مہاراج کے سر کی جراحی کے تمام نشان مٹ گئے۔ ایسا لگتا تھا گویا اُن کے سر پر جراحی کا عمل کیا ہی نہیں گیا۔

جب سارا کام مکمل ہوگیا تو دھنونتری نے دیکھنا چاہا کہ وہ مشورہ کس نے دیا تھا۔ پردے کے پیچھے سے تبھی ایک اجنبی باہر آیا۔

"میرے دوست تم کون ہو؟" دھنونتری نے پوچھا۔

"میں کالی داس ہوں۔" جواب ملا۔

"مہاکوی کالی داس ہو۔۔؟" اس نے دوسرا سوال کیا۔

"جی ہاں۔ میں ایک شاعر ہوں اور مہاراجہ بھوج میرے سرپرست ہیں اور مربّی بھی! مجھے اُن کی صحت کی بڑی فکر تھی۔ اس لیے میں پردے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ مجھے معاف کر دیجئے۔" کالی داس نے التجا کرتے ہوئے کہا

"نہیں بھائی میں اور آپ کو معاف کر دوں! مجھے تو آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور احسان مند ہونا چاہیے کہ آپ ہی کی تدبیر سے مہاراج کی جان بچ گئی اور میری آبرو رہ گئی۔"

"جب یہ دونوں شخص ایک دوسرے کے گلے مل رہے تھے تبھی مہاراجہ وکرماجیت نے آنکھیں کھول دیں اور اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

"میرے سر میں اب بالکل درد نہیں ہے۔" وہ بولے۔ "میں نے ایک عجیب خواب دیکھا تھا۔ لیکن کیا دیکھا تھا۔ مجھے اب یاد نہیں رہا۔"

اتر پردیش

تخت کے گرد دائرہ

بنارس روزِ ازل سے برہمنوں، بیلوں اور ساڑھیوں کے لیے مشہور رہا ہے۔ یہاں کے پنڈت رجعت پسند اور دقیانوسی خیالات کے قائل ہیں۔ یہاں کے بیل سب سے زیادہ ڈکارنے والے ہیں اور یہاں کی ساڑیاں دنیا بھر میں عمدہ ترین تصور کی جاتی ہیں۔ مگر انہی برہمنوں کے طفیل یہاں کے زربفت کاروں کو راجہ برہم دت کے عہد تک بنارس میں اپنی زمین، جائداد خریدنے کی اجازت نہ تھی۔ برہمن اکثر کہا کرتے تھے کہ وہ محض جولاہے ہیں، وہ نیچی ذات کے ہیں۔ ان میں ذہانت اور دانش مندی نہیں ہے۔ اگر انھیں شہر میں بود و باش کی اجازت دی گئی تو اُن کی حماقت سے یہاں کی فضا پراگندہ ہو جائے گی۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اُنھیں شہر سے دور نواحی دیہات میں رکھا جائے۔ وہ اپنی کاری گری کے جوہر وہاں دکھاتے رہیں۔

جب راجہ برہم دت تخت نشین ہوا، اور اُس نے رعایا کی داد فریاد سُننی شروع کی تو ایک روز وزیرِ اعظم دوڑا دوڑا اس کے پاس آیا اور کان

میں پھُسپھُسا کر کہا۔" مہاراج کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ چین دیش سے ایک خاص دوت آیا ہے۔"

"کیا معاملہ اتنا سنگین ہے۔ جو آپ گھبرائے ہوئے ہیں؟" راجہ نے کہا۔" اُسے عزّت کے ساتھ اندر لاؤ۔ وہ ہمارا دوت ہے۔ ہم اُس کا مناسب ڈھنگ سے سواگت کریں گے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آخر وہ بھی تو یہاں آنے والے دوسرے دوتوں کی طرح ہی ہے۔"

"یہ چینی راج دوت تو باقیوں سے نرالا ہے۔" وزیر اعظم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔" مہاراج وہ اپنا سندیش اشاروں میں دینا چاہتا ہے۔ اس سے کچھ پریشانی ہے۔"

"اچھا۔" راجہ نے کہا۔" اگر یہ بات ہے تو ہم بھی لاچار ہیں۔ اُس کا سندیش آج لے لو، ہم اس کا جواب کل دیں گے۔ ہمارے یہاں عقلمند اور دانا پنڈت یقیناً اس کا جواب دیں گے۔ کوئی راج دوت باہر بیٹھا انتظار کرتے رہے، یہ شوبھا نہیں دیتا۔ اُسے عزّت کے ساتھ اندر لاؤ۔"

اس کے بعد وزیر اعظم چینی سفیر کو دربار میں لانے کے لیے چلا گیا اور ہر ایک آنکھ اُس خصوصی سفیر کی منتظر تھی کہ جس نے اب اشاروں کی زبان استعمال کرنی تھی۔

سفیر اندر آیا اور آداب بجا لایا۔ اُس نے کچھ نہیں کہا۔ مگر راجہ کے تخت

کے بیچوں بیچ ایک سرخ دائرہ کھینچ دیا۔ وہ پھر آداب بجالایا اور اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔

وزیراعظم نے سفیر کے مبصر ساتھی سے کہا۔ ''مہاراج اس کا جواب کل دیں گے۔'' اور اس کے ساتھ ہی دونوں آداب بجالانے کے بعد دربار سے چلے گئے۔

''یہ تو عجیب سی پہیلی ہے۔'' راجہ نے منہ ہی منہ میں کہا۔

واقعی!'' درباریوں نے بہ یک زبان جواب دیا اور اُدھر وزیراعظم بھی سوچ میں ڈوب گیا کہ آخر تخت کے گرد سرخ دائرہ کیوں کھینچا گیا۔

بعدازاں جب وزیراعظم اور راجہ تنہا رہ گئے۔ اُس نے وزیراعظم سے پوچھا۔ ''منتری جی! چینی دوت کا پیغام کیا تھا؟''

''مہاراج!'' وزیراعظم نے جواب دیا۔ ''میرے خیال میں تو وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کا تخت دھرتی کے عین بیچوں بیچ رکھا ہے جو عظمت اور شان و شوکت کی نشانی ہے!''

''کیا واہیات بات کی ہے منتری جی آپ نے!'' راجہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''میں اتنا بھولا نہیں کہ اس بات پر یقین کر لوں کہ چین جیسے طاقتور دیش کا راجہ اپنا دوت پہاڑوں اور ریگستانوں کی خاک چھنوا کر صرف یہ سندیش پہنچانے کے لیے یہاں بھیجے۔ ممکن ہے یہ جنگ کا اعلان ہو۔ ہمیں اس کا کیا جواب دینا چاہیئے؟''

وزیراعظم نے اپنی پگڑی سنبھالی اور ٹھوڑی پر انگلی رکھ کر سوچنے لگا۔
مگر اس کی عقل نے جواب دے دیا۔ پھر اس نے تمام دانشور برہمنوں سے صلاح مشورہ کیا۔ لیکن وہ بھی یہ گتھی نہ سلجھا سکے۔ برہمنوں نے اسے جواب دیا کہ ہمیں ایسی پہیلیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارا کام تو پڑھنا پڑھانا ہے۔ کسی بیل کو پکڑلو۔ بیل ہی اشاروں کی زبان جانتے ہیں۔ لہٰذا وزیراعظم کی پریشانی بڑھتی رہی۔

"کیا تم نے یہاں کے بیلوں سے بھی پوچھا ہے؟" راجہ نے ازراہِ مذاق پوچھا۔

"ہاں مہاراج۔" وزیراعظم نے جواب دیا۔ "مگر وہ بیل جواب دینے سے لاچار ہیں۔

"میرا یہی خیال ہے کہ کیوں نہ کسی جولاہے سے پوچھا جائے۔" راجہ بولا۔

"مہاراج! جولاہے تو بیلوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔"

"ممکن ہے۔ آپ کا اندازہ غلط نکلے۔ آخر اُن سے مشورہ لینے میں کیا حرج ہے۔ بہر حال ہمیں کل صبح تک اس کا جواب ملنا چاہیئے۔ ورنہ آپ سمجھ لیجئے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ سمجھے......"

راجہ نے اپنی بات ابھی ختم ہی نہیں کی تھی کہ وزیراعظم نے اثبات میں سر ہلادیا۔ اس نے راجہ کا مطلب سمجھ لیا تھا۔ اگر کل صبح تک جواب نہ ملا تو اُس کی خیر نہیں۔ راجہ برہم دت اپنی بات کا دھنی تھا۔

اب بدحواس وزیراعظم نے جولاہوں کی تلاش شروع کر دی۔ مگر پورے شہر میں کوئی زربفت کار نظر نہ آیا۔ شہر میں ان پر پابندی لگنے کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ نواحی دیہات میں نکل گئے تھے۔ بے چارہ وزیراعظم اب سخت چکر میں تھا۔ اُس نے سپاہیوں کو بلایا اور اُنھیں ہدایت کی کہ پورے بنارس میں چینی سفیر کے پیغام کا مطلب پوچھو اور جب وہاں کے ہر مرد عورت اور بچے سے سوال کیا گیا تو ہر کوئی مُنہ تکتا رہ گیا۔ کسی کو بھی اس کا جواب معلوم نہ تھا۔ تخت کے گرد دائرہ کھینچنے کا معمہ حل نہ ہوا۔

وزیراعظم سخت پریشانی کے عالم میں خدا سے دعا مانگ رہا تھا کہ ایک سپاہی نے آکر اطلاع دی۔ "حضور! مجھے ایک ایسا شخص مل گیا ہے جو غالباً اس سوال کا جواب جانتا ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟" وزیراعظم نے اچھل کر پوچھا۔ "اُسے فوراً میرے پاس لاؤ۔"

"حضور! یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔" اُس نے پھُسپھُسا کر کہا۔ "وہ بہت اڑیل آدمی ہے۔ وہ بنارس کے ایک گاؤں کا جولاہا ہے۔ جب تک مہاراج خود اُسے بلاوا نہ بھیجیں وہ شہر میں داخل ہونے سے انکار کرتا ہے۔"

"بڑا ڈھیٹ ہے۔" وزیراعظم نے آہستہ سے کہا۔ "تمہیں بتاؤ کہ ایسا ضدی شخص کیا اتنا پیچیدہ سوال بتا سکتا ہے۔ تم کہتے ہو وہ جولاہا ہے۔ اصولاً تو

جولاہے خردماغ ہوتے ہیں اور بد دماغ بھی!"

"حضور ایسا نہ کہیے۔" سپاہی نے کہا۔" بات اُس کے بالکل خلاف ہے وہ خاصا چالاک اور ہوشیار نظر آتا ہے۔ جب میں گنگا کے کنارے اس کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہاں ایک پالنا خود بخود ہل رہا تھا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" وزیراعظم نے کہا۔

"یہی میں نے اپنے دل میں کہا تھا۔ پھر سوچا گھر کے مالک سے ملنا مناسب ہوگا۔" میں نے اندر کے کمرے میں پڑنے والے دروازے کو آگے بڑھ کر دھکیلا فوراً گھنٹی خود بخود بجنے لگی۔" سپاہی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے بعد کیا ہوا۔؟" وزیراعظم نے پوچھا۔

سپاہی نے بتایا کہ اندر کے کمرے سے پیچھے باغ کی جانب ایک راستہ جاتا تھا۔ وہیں اُس جولاہے کی کٹیا تھی اور دریا کے کنارے جوار کا کھیت تھا تھا۔ پرندوں کو اُڑانے کے لیے پیڑ کی ٹہنیاں باندھ رکھی تھیں۔ اُس نے مزید کہا۔ "حضور اُس وقت ہوا تو نہیں چل رہی تھی۔ درختوں کی ٹہنیاں خود بخود ہل رہی تھیں۔ میں نے پھر اپنے آپ سے کہا۔ بڑی حیرت کی بات ہے۔ میں نے چاروں طرف دیکھا اور چلّا کر کہا۔ کوئی ہے! گھر کا مالک کہاں ہے؟

"میں کرگھے پر ہوں۔" کسی نے اندر سے جواب دیا۔

"اپنی بات لمبی کیوں کرتے ہو؟ تھوڑے میں کہو۔" وزیراعظم نے

بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے اس سے بات کی تھی ؟ اُس نے کیا جواب دیا ؟" "میں نے اُسے کھڈی پر بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ تانا بن رہا تھا۔ اُس نے کچھ نہیں کہا۔ اُس نے ایک کل بنائی ہے۔ وہ دریا کی لہروں کے ذریعہ چلتی ہے۔ یہ بچے کے پالنے کی طرح جھولتی ہے۔ اُس کی گھنٹی بھی بجتی ہے۔ یہ ہتھیوں کے ذریعہ کام کرتی ہے۔ اس کا راچھ اُسی سے چلتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ یہ ملا ہے صحیح آدمی ؟ پھر میں نے اُسے چینی دوت کی طرف سے تخت کے گرد کھینچے گئے شرخ دائرے کی پوری کیفیت بتادی۔

"وہ نرا جولاہا ہوگا۔" وزیر اعظم نے چڑکر دل ہی دل میں کہا۔ "اُلٹی سیدھی کلوں سے اپنا کام چلاتا ہوگا۔"

پھر بھی وزیر اعظم کی بے قراری بڑھتی ہی گئی۔ اُس نے فوراً پوچھا۔ "اُس کا کیا جواب تھا۔" "اُس نے ہنستے ہوئے میری پیٹھ پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔

"جاؤ۔ جواب لینے کے لیے اپنے مہاراج کو میرے پاس لاؤ۔"

"آپ مہاراج کو چاہتے ہیں کسی اور کو تو نہیں"، میں نے پوچھا۔

"منتری سے بھی کام چلے گا! مگر جلدی کرو۔" اُس نے جواب دیا۔

میں نے پھرتی دکھائی اور اب آپ کے پاس کھڑا ہوں۔

"مجھے راستہ دکھاؤ۔" وزیر اعظم نے کہا۔ "اب میں مطمئن ہوگیا ہوں کہ یہ جولاہا واقعی کوئی چیز ہے۔ بھائی بہت دیر ہو رہی ہے۔ وقت برباد کرنے کے

لیے نہیں ہوتا۔"

یہ سنتے ہی سپاہی نے وزیر اعظم کو جولاہے کے پاس پہنچا دیا۔ جب جولاہے نے وزیر اعظم کی کہانی سُنی تو وہ قہقہہ مار کر ہنسا اور پھر کہنے لگا۔ "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ابھی تو نہیں بھٹی۔"

"شریمان جی! کیا آپ میری بپتا جان گئے ہیں۔" حیران پریشان وزیر اعظم نے پوچھا۔ "میں تو مارے ڈر کے تھر تھر کانپ رہا ہوں۔ مجھے اپنے سے زیادہ بنارس کی ناک کٹ جانے کی چنتا ہے۔ ایک چینی دوت نے پریشان کر دیا ہے۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ پاکر کے اس کا صحیح جواب بتائیے۔ آپ کے دل کی ایک ایک ضرور پوری ہوگی۔ جو مانگو گے ملے گا۔ ہمارے مہاراج برہم دت بات کے دھنی ہیں۔"

"گھبراؤ نہیں منتری جی۔" زربفت کار نے پھر کہا۔ کل سورج نکلنے سے پہلے آیئے جواب تیار ملے گا۔"

اگلے روز جب وزیر اعظم اُس جولاہے کو لانے پہنچا تو اُس نے کیا دیکھا کہ وہ ایک تھیلے میں چند عجیب سی چیزیں ڈال رہا تھا۔ اُن میں کھلونے، بچوں کی سارنگی اور چند اخروٹ تھے۔ ایک چھوٹا سا پنجرہ ہاتھ میں پکڑا۔ جس میں ایک جوڑا پالتو چڑیا کا رکھا تھا۔

"یہ کس لیے ہیں؟" وزیر اعظم نے حیرت سے پوچھا۔

"چینی دوست کے لیے۔" جولاہے نے جواب دیا۔" اسی سے اُسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگا۔"

ترہی بجائی گئی اور اس کے ساتھ ہی چوبدار نے دربار میں چینی سفیر کی آمد کا اعلان کیا۔ وہ دربار میں آتے ہی آداب بجالایا۔ اس بار اُس نے راجہ کے سامنے کی نشست سنبھالی۔ اُس کے معتبر ساتھی نے تخت کے گرد کھینچے گئے سُرخ دائرے کا جواب طلب کیے جانے کا اشارہ کیا۔

وزیراعظم نے اعلان کیا۔" ہمارے مہاراج ادھیراج کی طرف سے ہمارے قابل اعتماد دوست بنارس کے مشہور ساڑھی ساز اس کا جواب دیں گے۔"

کھلونے ساتھ لیے جولاہا اُٹھا اور اُس نے سفیر کے سامنے فرش پر سارے کھلونے رکھ دیے۔ وزیراعظم اور درباری دم سادھے بیٹھے رہے۔ اُنھیں اس بات پر تعجب تھا کہ گیرو سے کھینچے گئے پُراسرار سُرخ دائرے سے اُٹھنے والے سوال کا جواب کیا یہی کھلونے ہو سکتا ہے۔ تبھی چینی سفیر نے کھلونوں پر نفرت انگیز نظر ڈالی اور کوئلے سے تخت کے گرد ایک اور چھوٹا دائرہ کھینچ دیا اور اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔

ہر آنکھ اب جولاہے پر مرکوز تھی کہ اب اُس کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ اُس نے تھیلے سے سارنگی نکالی اور ایک مترنم دھن بجا کر ناچنے لگا۔ اس پر چینی سفیر نے اپنی جیب سے اناج کے چند دانے نکالے اور اُنھیں فرش پر بکھیر دیا۔

جولاہے نے فوراً اپنی پالتو چڑیوں کا جوڑا پنجرے سے نکالا اور انھیں فرش پر چھوڑ دیا۔ انھوں نے آنکھ جھپکتے ہی اناج کے دانے چگ لیے۔ اب اس سفیر نے اپنا زنجیر نما جھبیا فرش پر پھینکا۔ جولاہے نے زردوزی کے کام آنے والی اپنی عمدہ ترین سوئیاں اس میں پیوست کر دیں۔ سفیر اور اُس کے مبصر ساتھی نے سوئیوں کا بڑی احتیاط سے جائزہ لیا۔ تبھی انھوں نے سر ہلائے اور ایک دوسرے کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ جولاہا اب ایک اخروٹ لے کر سامنے آیا اور سفیر کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اُس نے اپنے انگوٹھے اور چھنگلی سے اخروٹ کو دبایا اور وہ مونگ پھلی کے چھلکے کی طرح ٹوٹ گیا۔

وزیر اعظم اور درباریوں پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ اندر سے اخروٹ کھوکھلا تھا۔ اس میں شبنم کے قطرے کی طرح کچھ چمک رہا تھا۔ وزیر اعظم نے جولاہے کو ترچھی نظر سے دیکھا کہ آخر ایک با اختیار سفیر کو سڑا ہوا اخروٹ پیش کرنا بنارس کے مہاراج کی سراسر توہین تھی۔ لیکن جولاہا زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔ اُس نے اپنے انگوٹھے اور انگشتِ شہادت کو دبایا۔ اخروٹ کا خول ٹوٹ گیا اور پھر دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو تیزی سے گھمایا۔ چینی سفیر اور اُس کا مبصر ساتھی یہ دیکھ کر دانتوں تلے انگلی دبا کر رہ گیا کہ شبنم کا وہ قطرہ آنِ واحد میں کام رانی کی دس گز لمبی اور دس گز چوڑی سلک کی ساڑھی کی شکل اختیار کر گیا۔

تبھی چینی سفیر مہاراجہ برہم دت کو الوداع کہنے کے لیے اپنی جگہ سے خفت آمیز انداز سے اُٹھا۔ وہ پہلے جُھکا اور پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر نمستے کی۔ تبھی اُس جولاہے نے اُس کے ہاتھوں میں دو اخروٹ تھما دیئے۔ سفیر کے معمّر ساتھی نے اُسی انداز سے الوداع کہا اور جولاہے نے اُسے بھی ایک اخروٹ تھما دیا۔ بعدازاں وہ کچھ کہے بغیر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

جب چینی سفیر چلا گیا تو مہاراجہ برہم دت نے جولاہے کو اپنے پاس بلایا اور کہا "تم نے چینیوں کی پہیلیاں بوجھ لی تھیں اور اُن کا صحیح جواب دیا ہے۔ اب تم جو چاہو گے ملے گا۔ لیکن کرپا کر کے یہ بتایئے کہ ان سب کا مطلب کیا تھا۔ دربار میں تو کوئی بھی نہیں سمجھا۔"

"مہاراج! زربفت کار نے جواب دیا۔" مطلب بالکل سیدھا سادہ ہے تخت کے گرد سرخ دائرہ حملے کی دھمکی تھی۔ یعنی یہ پوچھا گیا تھا کہ اگر چینی فوجیں آپ کی سلطنت کے گرد گھیرا ڈال دیں تو آپ کیا کریں گے۔ جواب تھا۔ کھلونے۔ یعنی ہم تو بچّوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔ ایسی چھچھوری حرکتوں کے لیے کھلونے ہی صحیح جواب ہے۔"

"اور چھوٹا سا دائرہ کھینچنے کا مطلب کیا تھا؟ مہاراج نے سوال کیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر چینیوں کے ٹڈی دل نے آپ کے گرد گھیرا تنگ کر دیا تو آپ کا ردِعمل کیا ہوگا؟ اس کا جواب تھا سارنگی۔ یعنی تگنی کا ناچ۔ اس

پر انھوں نے جو اناج کے دانے فرش پر بکھیر دیئے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ چینی اپنی فوجیں میدان جنگ میں جھونک سکتے ہیں اور میرا جواب تھا ہماری چند پالتو چڑیاں انھیں صاف کر جائیں گی۔ یعنی ہماری کم سے کم مسلح افواج چینیوں کے ٹڈی دل کو زیر کر سکتی ہے۔ جولاہے نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔

"اگر وہ زرہ بکتر سے لیس ہوں ؟" راجہ نے سوال کیا۔

"ہاں ہم پھر بھی اُن پر غالب آجائیں گے۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو تو میری سوئیاں ملاحظہ فرمائیے۔ ان کا اعلیٰ قسم کا فولاد خود بخود ہی اس کا جواب دے گا اور مہاراج اُس کے ساتھ ہی معاملہ سلجھ گیا۔ جولاہے نے اتنا کہہ کر اپنی بات ختم کر دی۔"

"اور پھر اخروٹ والی بات کیا تھی ؟" راجہ نے پوچھا۔

"یہ تو سوئیوں والی بات پر زور دیا گیا تھا۔ مہاراج۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ دستکاروں کی قوم اتنی ہوشیار ہوتی ہے کہ اگر وہ مادس کے ایک قطرے میں سما جانے والی دس گز لمبی اور دس گز چوڑی ساڑی اخروٹ کے خول میں بند کر کے دکھا سکتی ہے تو لوہے کی کسی بھی زنجیر کو کاٹ دینے والے ہتھیار بھی تیار کر سکتی ہے۔ باقی تینوں اخروٹوں میں بھی بنارسی سلک کی ساڑیاں تھیں۔ یہ چین کے بادشاہ کے لیے تحفے تھے تاکہ اُنھیں اپنی آنکھ سے دیکھ کر یقین آجائے۔" زربفت کار نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے

کہا۔ " مجھے یقین ہے کہ چینی بادشاہ اپنے سفیر کی بات پر مناسب ثبوت کے بغیر یقین نہیں کریں گے۔ اس لیے میں نے اُنھیں اسی نوعیت کی بنارسی سلک کی چند ساڑیاں دی تھیں۔ جنھیں بنارس کے بازاروں میں کوئی بھی بہ آسانی خرید سکتا ہے۔

" اب بتاؤ میں اس کی کیا قیمت ادا کر دوں ۔" مہاراجہ برہم دت نے کہا۔ "تم نے میری آبرو ہی نہیں رکھی بلکہ بنارس کے نام کو چار چاند لگا دیئے ہیں. تم اپنی اس سیوا کے بدلے میں جو چاہو مانگ لو۔ ملے گا۔" راجہ نے جولاہے کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

زربفت کار نے سونا، چاندی، ہیرے جواہرات کچھ نہیں مانگا۔ صرف یہی کہا کہ مجھے اور میرے ساتھی دستکاروں کو برہمنوں اور ہبلیوں جیسی مراعات اور حقوق عطا کر دیئے جائیں۔"

مہاراجہ برہم دت نے جولاہے کی درخواست قبول کر لی اور تبھی سے بھارت کے بہترین زربفت کاروں نے بنارس کو اپنی آماجگاہ بنا لیا۔

مینڈک اور شیر

ایک بار ایک مینڈک کی ملاقات ایک شیر سے اس کے غار کے سامنے ہوگئی۔ یہ غار دریا کے کنارے ایک پہاڑی چٹان پر بنا تھا۔ مینڈک نے کہا۔" دادا! تم بہت بڑے ہو اور میں چھوٹا اور ننھا سا مینڈک ہوں لیکن میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کتنے مضبوط اور طاقتور ہو۔ میں اس بڑی چٹان کو پہاڑی کے نیچے لڑھکاؤں گا اور آپ نیچے جائیے اور اسے دریا میں گرنے سے روک لیجئے۔"

شیر نے جواب دیا"بیٹا یہ بہت بھاری اور بڑی چٹان ہے اسے تھامنے کی ہمت مجھ میں نہیں ہے۔ اچھا تم بتاؤ۔ تم اسے کیسے تھامو گے؟"

مینڈک نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔" یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ آپ دیکھنا ہی چاہتے ہیں دیکھ لیجئے۔ میں نیچے جاتا ہوں۔ آپ اس چٹان کو لڑھکا دیجئے اور پھر دیکھئے میں اسے کیسے روکتا ہوں۔؟"

یہ کہتے ہی مینڈک نیچے گیا اور اسکے بعد وہ دریا کے کنارے ایک ایسی جگہ پر جا پہنچا کہ جہاں چٹان کو خود بخود آکر رک جانا تھا۔ شیر نے چٹان کو لڑھکایا اور آن واحد میں چٹان لڑھک کر اس جگہ آکر رُکی جہاں مینڈک بیٹھا تھا۔ جونہی چٹان رکی مینڈک اس پر پھدک کر آ بیٹھا اور چلاتے ہوئے شیر سے یوں مخاطب ہوا" شاباشی دو مجھے اور دیکھو میں نے اتنی بڑی چٹان کو کیسے روک دیا ہے۔"

اب شیر کیا جواب دیتا۔ اُس کے پاس کہنے کو رہ ہی کیا گیا تھا۔ وہ مینڈک کی اس طاقت پر دانتوں تلے انگلی دبا کر رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا۔" اگر ایک چھوٹا سا مینڈک بڑی اور بھاری چٹان کو روک سکتا ہے تو میں کیوں نہیں روک سکتا۔" اور اس کے ساتھ اُس نے مینڈک کی یہ چنوتی قبول کر لی۔ مینڈک اوپر پہاڑی پر پھدکا اور شیر نیچے آ گیا۔ اُس نے سب سے بڑی اور بھاری چٹان کو نیچے لڑھکایا۔ بات دراصل یہ ہوئی تھی کہ بارش کی وجہ سے چٹانیں خود بخود نیچے لڑھک رہی تھیں۔ مینڈک جونہی اوپر پہنچا ایک چٹان خود بخود لڑھک کر نیچے آ گری۔ شیر نے اُسے روکنے کی کوشش کی مگر خود ہی اس کوشش میں دریا میں لڑھک گیا۔ اُس کا جسم پانی میں بھیگ گیا تھا۔ جیسے تیسے کر کے وہ باہر نکلا۔ اس کا سارا بدن مارے درد کے ٹوٹ رہا تھا۔

اس کے بعد مینڈک نے شیر کو دوڑ لگانے کے لیے للکارا۔ جونہی دوڑ شروع ہوئی مینڈک شیر کی دُم پر جا بیٹھا اور اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ کچھ فاصلے تک دوڑنے کے بعد شیر کو مینڈک کہیں نظر نہیں آیا۔ شیر سمجھا کہ اس نے مینڈک کو پچھاڑ دیا ہے اور وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کے لیے رُکا۔

مینڈک نے تبھی زور سے ایک چھلانگ لگائی اور شیر کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور بڑے طمطراق سے اعلان کیا۔ "دادا! میں نے ایک بار پھر آپ کو ہرا دیا ہے۔"

یہ سن کر شیر کو بڑی حیرت ہوئی اور اس کے ذہن میں مینڈک کا خوف بیٹھ گیا۔ دوڑ کے وقت جب مینڈک نے شیر کی دم کو پکڑ رکھا تھا تو اس دوران اس نے شیر کے کچھ بال اکھیڑ کر کھا لیے تھے۔ اس بار اس نے یہ تجویز پیش کی۔ "دادا! آؤ اس بار قے کا مقابلہ ہو جائے۔"

شیر راضی ہو گیا اور پھر اس نے کھائے ہوئے نوالے اُگلنے شروع کر دیئے۔ شیر نے اعلان کیا۔ "بیٹا! میرے مُنہ نہ لگ! یہ دیکھ میں نے کل سانبھر ہرن مار کر کھایا تھا۔ یہ رہا اس کا بال اور یہ ہے جنگلی سؤر کا بال۔ یہ سؤر میں نے آج صبح ہی کھایا تھا۔"

اس کے بعد شیر خاموش ہو گیا۔ اب مینڈک کی باری آئی۔ کچھ دیر بعد اس نے قے کرتے ہوئے یوں اپنا راگ الاپنا شروع کر دیا۔

" دادا ! یہ رہا آپ کی دادی کا بال۔ آپ کی دادی کو میں نے کل ہی مار کر کھایا تھا اور یہ رہا آپ کے دادا کا بال۔ گوشت میں تنے بڑے مزے لے لے کر اُڑایا تھا اور یہ دیکھو آپ کا بال۔ اُسے تو میں نے ابھی اُکھاڑا ہے۔ آپ کا گوشت بھی بہت لذیذ ہے۔"

شیر یہ سن کر مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگا اور جتنی تیزی سے بھاگ سکتا تھا بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے اُسے راستے میں ایک بندر ملا۔ اُس نے پوچھا۔ " دادا ! کیا بات ہے ! آپ بہت گھبرائے ہوئے ہیں۔ شیر نے ہانپتے ہوئے کہا۔" بیٹا ! اُس غار پر ایک چھوٹا سا مگر خوفناک مینڈک بیٹھا ہے۔ مجھے اُس سے ڈر لگتا ہے۔ وہ میرے دادا اور دادی دونوں کو کھا گیا ہے اور اُس نے میرے جسم کا کچھ حصّہ بھی نوچ لیا ہے ! اوپر بیٹھ کر دیکھ لو ! "

یہ سن کر بندر تے ٹوکتے ہوئے درمیان میں قہقہہ لگایا اور بولا" آپ بھی کتنے وہ ہیں جو ایک معمولی مینڈک سے ڈر گئے۔ مجھے دکھاؤ۔ وہ مینڈک ہے کہاں، میں اُس کی خبر لوں گا۔"

" وہ دونوں غار کی جانب چل پڑے۔ مینڈک نے ان کی گفتگو چپکے چپکے سن لی تھی اور وہ بندر کی خبر لینے کے لیے تیار تھا۔ شیر نے دور ہی سے اشارہ کر دیا۔ بندر سینہ پھلائے گردن اکڑا کر غار کے قریب گیا۔ مینڈک نے زور زور سے ٹرانا شروع کر دیا۔ اُس کی گلا پھاڑ ٹراہٹ کانوں کے پردے

چاک کر رہی تھی۔

بندر اچانک یہ آواز سن کر کسی حد تک گھبرا گیا۔ لیکن شیر کی نظروں میں نیچا ہونے سے بچنے کے لیے وہ آگے بڑھتا رہا۔ جونہی وہ غار کے منہ پر پہنچا۔ مینڈک ایک زوردار دھماکے کے ساتھ اس کی ناک پر آکودا اور زور زور سے ٹرانے لگا۔ بندر خوف زدہ ہوگیا اور بھاگنے ہی میں اپنی خیریت سمجھی۔ شیر اس کے پیچھے چلاتا جا رہا تھا۔ "بیٹا میں نے پہلے بھی تمھیں سمجھایا تھا۔ یہ مینڈک کتنی خوفناک چیز ہے۔"

جب وہ دونوں بھاگتے جا رہے تھے تو اُنھیں راستے میں ایک سیہہ ملی۔ اس نے پوچھا۔ "چچا کیا بات ہے۔"

ان دونوں نے غار کے خطرناک مینڈک کی ساری کیفیت بیان کردی۔ سیہہ کو یقین نہ آیا اور اُس نے اُن کے ساتھ چلنے اور مینڈک سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اُس کے ساتھ ہی وہ تینوں مینڈک کے غار کی جانب روانہ ہوگئے۔

مینڈک نے اس بار اُن تینوں کی گفتگو سن لی تھی اور اب سیہہ کو مزہ چکھانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ جونہی وہ غار کے منہ پر آئی' مینڈک ایک بھیانک انداز سے ٹرانے لگا اور اُس کی ناک پر کودا۔ مگر اچانک ناک کا نشانہ چوک گیا اور وہ اُس کے کانٹوں میں اُلجھ کر رہ گیا۔ آخر وہ اُس کی

چھدری نوکوں کے ذریعہ اندر ہی اندر اور گہرا گھستا چلا گیا۔

مینڈک پر یہ جو بپتا بیتی تھی۔ شیر اُس سے قطعاً بے خبر تھا۔ وہ اپنی ہی دھن میں مارے خوف کے بھاگنے لگا۔ بندر اور سیہہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے بھاگتے گئے۔ لیکن سیہہ غار سے کچھ دور ہی پہنچی ہوگی کہ اچانک ایک مرا ہوا مینڈک اُس کے جسم سے اچھل کر نیچے آگرا اور اس طرح ایک چھوٹے سے مینڈک کو اپنے دوستوں کو بے وقوف بنانے کے بعد اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

اڑیسہ

کرما ناچ

جنگلی قبیلوں میں کرما ناچ بہت مقبول ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ کرما ہم لوگوں کی زندگی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو شاید ہم لوگ زندہ ہی نہ رہ سکتے۔ اس کی کہانی یوں بیان کی جاتی ہے۔

کسی زمانے میں بومائی راج میں ناگری نام کا ایک گاؤں تھا۔ اُس گاؤں میں ایک مہاجن رہا کرتا تھا۔ اس کے سات لڑکے اور سات لڑکیاں تھیں۔ لڑکیوں میں سے کسی کی بھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ مہاجن کا کاروبار خوب پھیلا ہوا تھا۔ ایک روز وہ سمندر پار کر کے دوسرے دیس میں چلا گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد اس گاؤں میں ایک سادھو آیا۔ اس نے دیکھا کہ گاؤں کے تمام مرد اور عورتیں کھیتوں میں دل لگا کر کام کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُسے بہت خوشی بھی ہوئی اور غم بھی۔ خوشی اُن کی محنت کو دیکھ کر ہوئی اور غم اس لیے ہوا کہ انھیں اُن کی محنت کا پھل نہیں ملے گا۔

سادھو بڑا سیدھا سادھا تھا۔ اس نے کسانوں کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ "تم لوگ محنت تو کرتے ہی ہو لیکن تمھیں اس کا سکھ نہیں ملے گا۔ مہاجن کی لڑکیاں بھی وہاں موجود تھیں۔ اُن میں سے ایک نے پوچھا۔ "مہاراج! کیوں؟"

سادھو نے جواب دیا۔ "تم لوگ کرم راج کی پوجا نہیں کرتے۔ کام کے ساتھ ساتھ اس کے بھگوان کی پوجا کرنی چاہیئے۔ تم لوگوں کے بھگوان راجہ کرم ہیں۔"

مہاجن کی لڑکیوں کو سادھو کی یہ بات پسند آگئی۔ وہ سب فوراً گھر گئیں۔ وہاں انھوں نے کرم راجہ کی پوجا شروع کر دی اس دوران مہاجن بھی بدیش سے اپنے گھر لوٹ آیا۔ اس نے دیکھا کہ سب لڑکے لڑکیاں ناچ گانے میں اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔

اس سے رہا نہ گیا۔ مارے غصّے کے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اُس نے اُن کی اُس پوجا میں رکاوٹ ڈال دی۔ رکاوٹ پڑتے ہی اُس کی ساری جائداد تباہ و برباد ہو گئی۔ یہ دیکھ کر مہاجن چنتا کے گہرے ساگر میں ڈوب گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے۔ سب لڑکیوں نے سادھو کی بات بتائی۔ وہ دوڑا دوڑا سادھو کے پاس گیا۔

سادھو نے اُسے ایک تدبیر بتا دی۔ اُس کے مطابق مہاجن جنگل میں

کیا۔ جنگل میں وہ کرم سیمی درخت کی ایک ٹہنی توڑ کر اپنے گھر لوٹ آیا۔ اُس کے بعد سب نے مِل کر راجہ کرم کی خوب پوجا کی۔ گھر کے عام افراد نے ناچ گا کر اپنے دیوتا کو خوش کیا۔ اس کے نتیجے میں مہاجن کو اس کی ساری جائداد واپس مل گئی۔ جب گاؤں نے یہ دیکھا تو انھیں بڑی حیرت ہوئی۔ پھر تو سارے گاؤں میں مل کر ایک تہوار منایا۔ اس دوران جو گیت گائے گئے وہ کرما گیت کہلائے اور ناچ کا نام کرما ناچ پڑا۔

بھادوں کی چاندنی رات کو ایکادشی کے دن وہ لوگ کرما سیمی پیڑ کی ٹہنی توڑ کر لاتے ہیں۔ پھر اُس کی پوجا کی جاتی ہے۔

بنگال

سات بھائی چمپا

ایک راجہ تھا۔ اس کی سات رانیاں تھیں۔ یوں تو سب خوبصورت تھیں۔ لیکن چھوٹی رانی سب سے زیادہ خوبصورت تھی اور نیک بھی۔ وہ کسی کو نقصان پہنچانے یا کوئی گناہ کرنے کی بات کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ ہر کوئی اُسے چاہتا تھا۔ اس لیے راجہ کی باقی چھ رانیاں اس سے حسد کرنے لگیں۔

راجہ کو بھی اپنی سب سے چھوٹی رانی سے بے حد پیار تھا۔ اپنی ساتوں رانیوں میں وہ چھوٹی کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ یہی بات باقی رانیوں کے دل میں کانٹا بن کر کھٹکتی تھی۔ اسی لیے چھوٹی رانی کے لیے اُن کے دل میں حسد اور نفرت کا جذبہ خوب بڑھتا ہی چلا گیا۔

بہرحال دن گزرتے گئے اور چھوٹی رانی اپنی سوکنوں کی حرکتوں سے کافی حد تک آگاہ ہو چکی تھی لیکن وہ بار بار دیئے گئے ان کے طعنوں تشنوں

کو محسوس نہ کرتی۔ وہ ایسی ناخوشگوار باتوں پر مسکرا دیتی اور دوسری رانیوں کے حاسدانہ رویے کے باوجود وہ اُن کے ساتھ پیار محبت سے رہتی۔

ساتوں رانیوں میں سے کسی کے یہاں اولاد نہ تھی۔ راجہ کو اس بات پر بہت پریشانی تھی اور رانیاں بھی یہ سوچ سوچ کر بہت دکھی ہوتیں مگر کیا کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے وہ یہ دُکھ دل ہی دل میں پی لیتیں اور خدا سے دل کی مُراد پانے کی دعائیں مانگتی رہتیں۔

اچانک خدا نے اُن کی دعائیں سن لیں۔ سب سے چھوٹی رانی سولتا اُمید سے ہوگئی۔ یہ خوش خبری سن کر راجہ مارے خوشی کے اپنے جامے میں پھولا نہ سمایا۔ سولتا کے لیے اُس کی محبت بڑھتی رہی۔ وہ ہمیشہ اُس کے آرام و آسائش کا خاص خیال رکھتا اور اُس کی ایک ایک خواہش پوری کرتا۔ حتّٰی کہ وہ اپنا بیشتر وقت اُسی کے ہاں گزارتا۔ باقی چھ رانیوں کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی، اس کا اندازہ ہم بخوبی لگا سکتے ہیں۔ وہ پہلے ہی سولتا سے بہت خار کھاتی تھیں۔ خاص طور پر اس لیے کہ وہ راجہ کی چہیتی رانی تھی۔ اب اُنھیں یہ محسوس ہونے لگا کہ زندگی کی تمام آسائشیں صرف اُس کے لیے ہی مخصوص ہوئی ہیں۔ بہت جلد وہ بھی ماں بن جائے گی۔ وہ اُس دن کی آس لگائے بیٹھی تھیں۔ لیکن قسمت نے اُن کا ساتھ نہیں دیا۔ یقیناً خدا نے اُن کے ساتھ بہت ناانصافی کی تھی اور اُس پر طرہ کہ وہ اسی پھوہڑ اور نادان

لڑکی پر سو جان سے فدا ہو رہا تھا۔ یہ کیفیت اُن کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ مارے حسد کے جل کر کباب ہو گئیں۔ انھوں نے بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا اور وہ اسی تاک میں موقعہ کی تلاش کرنے لگیں۔

جب چھوٹی رانی کی گود بھرنے کے دن قریب آ گئے تو راجہ نے جلدی سے شہر کی سب سے تجربہ کار اور بہترین دایہ اور اُس کی معاون کو طلب کیا لیکن پریم لتا راجہ کے پاس گئی اور بولی مہاراج باہر سے غیروں کو بلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آخر ہم چھ کس لیے ہیں۔ ہم کب کام آئیں گی۔" اس نے راجہ کو یقین دلایا کہ وہ سولتا کی دیکھ بھال کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے گی۔ راجہ کو اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں موقعہ سنبھال لوں گی۔

راجہ اُس کی یقین دہانی پر مطمئن ہو گیا۔ اُس نے پریم لتا سے کہا کہ سولتا کی ہر ممکن دیکھ بھال کی جانی چاہیے اور جس وقت بھی سولتا کے بچہ ہو مجھے فوراً خبر کر دو۔ پریم لتا راجہ کی یہ بات مان گئی اور وہ سولتا کی دیکھ بھال کرنے چلی گئی۔

جب سولتا کو زچہ خانے لے جایا گیا تو پریم لتا نے باقی پانچ رانیوں کو بھی بلایا اور اندر سے دروازے کی چٹخنی چڑھا لی۔ اُس نے بہانہ کیا کہ سولتا کی ہمدرد اور بہی خواہ صرف وہی ہے اور اُسے ہی اس بات کی سب سے زیادہ خوشی ہے کہ جلد ہی سولتا کی گود بھر جائے گی۔ بے چاری سولتا نے تھلاپے میں

پریم لتا پر بھروسہ کر لیا اور مکمل طور پر اُسی پر اکتفا کرنے لگی۔

آہستہ آہستہ وہ دن بھی آ گیا! مگر یہ کیا، ایک نہیں، دو نہیں، ایک ایک کر کے آٹھ بچے اس کے یہاں پیدا ہوئے۔ پہلے سات لڑکے تھے اور آخری لڑکی۔ چھیوں رانیاں یہ دیکھ کر مارے حسد کے جل بھن گئیں۔ جب آخری بچہ پیدا ہوا تو پریم لتا نے اُن آٹھوں بچوں کو ایک بڑے سے گچھے یعنی تولیے میں چھپا لیا اور پچھواڑے کی طرف بھاگی۔ اس نے جلدی سے ایک بہت بڑا گڑھا کھودا اور اُنھیں اس میں زندہ دبا دیا۔ پھر وہ زچہ خانے کی جانب دوڑی گئی۔ راستے میں اس نے ایک بلّی، ایک کتیا کا نوزائید پلاّ اور چند چوہے پچھواڑے سے اُٹھا لیے۔ اُس نے اُنھیں ایک ٹوکری میں ڈالا اور سولتا کے پاس رکھ دیا۔ اس کے بعد اُس نے گھنٹی بجائی جس کے ذریعہ راجہ کو بلایا گیا تھا۔

راجہ اپنے چہرے پر مسرت آمیز مسکراہٹ بکھیرے دوڑا آیا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ ضرور لڑکا ہوگا۔ اس نے سوچا اگر لڑکی بھی ہوگی تو میں اُس کو دیکھ کر اپنی آنکھ ٹھنڈی کرتا رہوں گا۔

پریم لتا زچہ خانے کے دروازے پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے اپنے چہرے پر نا اُمیدی کے آثار نمایاں کر لیے۔ راجہ کو بلّی، کتیا کے پلّے اور چوہوں سے بھری ٹوکری دکھائی۔ راجہ کی مایوسی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اُس نے

غصّہ کے عالم میں پوچھا۔ "کیا یہی کچھ ہوا ہے ؟" پریم لتا نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ "ہاں مہاراج! یہی کچھ ہے۔" "میں ان سب کا کیا کروں گا۔" راجہ نے غضبناک ہوکر کہا۔ "ان سب کو زندہ دفن کر دو۔" پھر وہ واپس چلا گیا اور جاتے ہوئے سولتا کی جانب پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

جب سولتا نے اپنی آنکھیں کھولیں تو سب سے پہلے اس نے پوچھا۔ "دیدی! میرے بچے کہاں ہیں ؟" پریم لتا نے افسوسناک لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے دکھ ہے تمھاری کوکھ سے انسان نہیں بلکہ جانور پیدا ہوئے ہیں۔ ایک بلّی تھی، ایک کتیا کا پلاّ اور باقی چوہے ہیں۔ میں نے مہاراج کو اُن کے درشن کرا دیئے۔ انھوں نے فوراً انھیں دفنا دینے کا حکم دے دیا تھا۔ اس لیے مجھے ان کا حکم ماننا پڑا اور آپ کے دیکھنے کے لیے انھیں رکھ نہ سکی۔

بے چاری سولتا کو اس کا اتنا صدمہ پہنچا کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔ پریم لتا اور اُس کی باقی پانچوں سوتنیں اس سے بہت لطف اندوز ہوئیں اور وہ اُس کی کامیابی پر تعجب کر رہی تھیں۔ راجہ دربار میں لوٹ آیا اور اُس نے اسی وقت حکم صادر کر دیا کہ سولتا جیسی منحوس رانی کو محل سے نکال دیا جائے۔ اُس نے کہا کہ جب وہ چلنے پھرنے لائق ہو جائے تو اُسے محل سے نکال دیا جائے اور شہر میں عام لوگوں کے ساتھ کہیں بھی جا کر رہے۔

جب پریم لتا نے راجہ کا حکم سنایا تو وہ مارے خوشی کے اُچھل پڑیں۔ اُس نے

جلدی سے جاکر سولتا کو بھی راجہ کا حکم سنادیا۔ وہ اُس وقت بہت بیمار تھی اور دکھی بھی۔ سولتا کو پریم لتا کی بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔ آخر کچھ دیر بعد اُسے محسوس ہوا کہ راجہ اچانک اُس سے روٹھ گیا ہے۔ اسی لیے اُس کے ساتھ اتنا ظالمانہ اور بے دردانہ سلوک کیا گیا ہے۔ خاص طور پر اُس وقت کہ جب اُسے اُس کی اشد ضرورت تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور اپنی قسمت کو کوسنے لگی۔

جونہی سولتا چلنے پھرنے لائق ہوگئی تو پریم لتا نے راجہ کے حکم کی تعمیل کرادی۔ اسے محل سے نکال دیا گیا۔ سولتا کو راجہ سے ملنے کا ایک بار بھی موقعہ نہیں دیا گیا۔ پریم لتا کو اس بات کا خدشہ تھا کہ راجہ پھر سولتا سے ملا تو ممکن ہے وہ اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کرے اور سولتا کو محل سے نکالے جانے کا حکم واپس لے لے!

سولتا ایک پھٹی پرانی ساڑی پہنے روکھے سوکھے بال بکھیرے اور انتہائی کمزوری کی حالت میں دکھی من کے ساتھ چپکے چپکے آنسو بہاتی ہوئی محل سے نکل گئی۔ دن گذرتے گئے اور اُس کے بعد خوشی اور مسرت محل سے ہوا ہوگئی۔ راجہ گم سُم اور اُداس رہنے لگا۔ اُس نے اپنی کسی بھی رانی سے ملنا جانا بند کر دیا۔ سارے شہر پر صفِ ماتم بچھ گئی۔ حتّٰی کہ پیڑ پودے بھی پھلنا پھولنا بھول گئے۔

اچانک ایک روز صبح راجہ کے مالی نے دیکھا کہ چمپا کے ایک درخت پر چند خوبصورت پھول کھلے ہوئے ہیں۔ وہ اُنھیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اُس نے

فوراً اُنھیں توڑ کر اپنے مہاراج کی خدمت میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُسے یقین تھا کہ راجہ بھی ایسے شگفتہ اور عمدہ پھول دیکھ کر خوش ہوں گے۔ لہٰذا مالی ایک ٹوکری ہاتھ میں تھامے پھول توڑنے چل پڑا۔ وہ چمپا کے لمبے درخت کے تلے کھڑا ہو گیا اور اس نے سب سے نیچے جھکی ٹہنی سے پھول توڑنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ درخت کی ٹہنی سے اُس کا ہاتھ بہ آسانی پہنچ گیا تھا۔ لیکن جونہی اُس کا ہاتھ ٹہنی کے قریب پہنچا پھول خود بخود اوپر سرکنے لگا اور آخر وہ مالی کی رسائی سے کافی اوپر ہو گیا۔ بے چارہ مالی بہت پریشان تھا۔ اس غیر معمولی سانحہ سے اسے ڈر بھی لگا۔ اس نے سوچا شاید اس درخت پر کسی بھوت پریت کا بسیرا ہے۔ اس لیے راجہ کو فوراً اس کی اطلاع کرنی چاہیے تبھی سب سے اونچے پھول نے ایک ننھے کی آواز میں پورا گانا شروع کر دیا :۔

”ہم کوئی پھول بھی تمھیں نہ دیں گے دیکھو
ہم کوئی پھول بھی
ہم اونچے اونچے اٹھتے رہیں گے دیکھو
ہم کوئی پھول بھی
صرف ہمارے راجہ جی ہی آئیں
ہم اُن کے درشن پائیں
ہم پھول اُنھیں ہی دیں گے
وہ پھول ہمیں سے لیں گے

مالی کو ذہنی طور پر اس سانحہ سے اتنا دھکا لگا کہ وہ فوراً دوڑا دوڑا راجہ کے دربار میں پہنچا۔ راجہ کے تخت کے قریب جاکر اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔" اوہ مہاراج! کرپا کر کے میرے ساتھ فوراً آیئے۔ دیکھئے ہمارے باغ میں پرانا چمپا کا پیڑ کتنی عجیب و غریب حرکت کر رہا ہے۔

"پیڑ اور حرکت" مہاراجہ نے حیران ہو کر پوچھا۔" آؤ چلیں دیکھیں!" اس کے ساتھ ہی مہاراج کی بیقراری بڑھ گئی۔ وہ مالی کے ساتھ باغ کی جانب چل پڑا۔ جب وہ باغ میں اس جگہ پہنچا کہ جہاں چمپا کا درخت تھا تو درخت کی ٹہنیوں پر آٹھ خوبصورت پھول دیکھ کر وہ مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ اس نے سب سے نچلی ٹہنی پر کھلے ایک پھول کو توڑنے کے لیے فوراً اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ لیکن جونہی راجہ کا ہاتھ آگے بڑھا پھول خود بخود اوپر سرکنے لگا۔ آخر وہ اتنا اونچا اٹھ گیا تھا راجہ کی دسترس سے باہر ہو گیا کہ تبھی ایک مدھر آواز درخت کی سب سے اونچی چوٹی سے سنائی دی کوئی بچہ گا رہا تھا۔

"ہم کوئی پھول بھی تمہیں نہ دیں گے دیکھو
ہم کوئی پھول ـــــــ
ہم اونچے اونچے اٹھتے رہیں گے دیکھو
راجہ جی کی رانی جی ہی آئیں
ہاں بڑی ہی رانی آئیں

ہم ان کے درشن پائیں
ہم پھول انھیں ہی دیں گے
وہ پھول ہمیں سے لیں گے

راجہ واقعی گھاٹے میں رہا۔ اُسے پھول نہ مل سکا۔ اُسے حالت کی نزاکت کا احساس ہوگیا۔ اس نے فوراً پریم لتا کو بلوا بھیجا۔ جب بڑی رانی کے پاس راجہ کا پیغام پہنچا تو اسکا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ کیونکہ اُسے بخوبی یاد تھا کہ اس نے بے چاری سولتا کے آٹھوں ننھے منے پیارے پیارے بچوں کو کہاں زندہ دفن کیا تھا۔

پھولوں نے بڑی رانی کے ساتھ بھی مالی اور راجہ جیسا سلوک کیا۔ وہی گانا اسی دھن میں گایا جانے لگا۔ لیکن اس بار پھول نے راجہ کی دوسری رانی کو ہی پھول دینے کو کہا۔

اس طرح راجہ کے حکم سے تمام چھیٹوں رانیوں کو باری باری طلب کر لیا گیا۔ کیونکہ پھول میں سے نکلنے والی بچے کی آواز نے باری باری ہر رانی کو بلوانے کا مطالبہ کیا تھا آخر پھول نے پھر گانا شروع کیا۔

"ہم کوئی پھول بھی تمھیں نہ دیں گے دیکھو
ہم کوئی پھول
ہم اونچے اونچے اٹھتے رہیں گے دیکھو
راجہ جی کی چھوٹی رانی آئیں

سب سے چھوٹی آئیں
ہم پھول ابھی ہی دیں گے
وہ پھول ہمیں سے لیں گے

اب نہ صرف چھیئیوں رانیوں کا کلیجہ زور زور سے دھڑکنے لگا بلکہ خود راجہ کے جسم میں بھی برقی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ کسی کو علم نہ تھا کہ بے چاری چھوٹی رانی کہاں ہے!

راجہ نے اس کی تلاش کا حکم صادر فرمایا اور کہا کہ سولتا کو ڈھونڈ کر فوراً ہمارے حضور میں پیش کیا جائے۔

راجہ کے تمام اہلکاروں نے سولتا کی تلاش شروع کر دی۔ کچھ سپاہی گھوڑوں پر روانہ ہوئے اور کچھ پیدل گئے شہر کا کونہ کونہ چھان مارا اور ایک ایک گھر کے چپے چپے کی تلاشی لی گئی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں سولتا وہیں نہ ہو۔

آخر سولتا ایک ٹوٹی پھوٹی گئو شالہ میں مل گئی۔ وہاں یہ اُپلے تھاپتی تھی اور پڑوس میں انھیں فروخت کر کے اپنے مصیبت کے دن کاٹ رہی تھی۔ جب راجہ کے سپاہیوں نے اسے اپنے مہاراج کے روبرو پیش کیا تو راجہ اسے بڑی مشکل سے پہچان سکا۔ پہلے وہ کتنی خوبصورت تھی، کتنی دلفریب تھی۔ آج وہ دبلی پتلی تھی۔ اُس کا چہرہ کمزوری اور نقاہت کے باعث ہلدی جیسا زرد تھا۔ اُس نے ایک میلی کچیلی چیتھڑا چیتھڑا ساڑی پہنی تھی۔ کبھی وہ ہاتھ لگائے میلی نہ ہوتی تھی۔ لیکن آج اسی چہرے پر گرد کی موٹی موٹی تہیں جمی تھیں۔ یہی کیفیت اُسکے بالوں کی تھی۔

بھی اُسکے گھنے سیاہ گھنگھرالے بال چمکدار اور دراز گیسو ساون کی گھٹاؤں کو مات کرتے
تھے اور آج وہی گیسو گرد آلود تھے۔ اس کی قابلِ رحم حالت دیکھ کر راجہ کا دل بھر آیا
اس نے اپنے آپ پر بمشکل تمام قابو پاتے ہوئے سولتا سے پھول توڑنے کو کہا۔
سولتا کو جب راجہ کے سامنے لایا گیا تو وہ مارے خوف کے تھر تھر کانپ رہی
تھی۔ اس نے سوچا کہ مجھ سے ضرور کوئی جرم ہوا ہے۔ راجہ میری گردن اُڑا دے گا۔
بہر حال اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھ پھولوں کی جانب بڑھائے۔ اب نہ تو درخت
سے کسی بچّے کے گانے کی آواز آئی اور نہ ہی یہ اوپر کی جانب سرکے۔
اس کے بجائے سات کلیاں خود بخود پھوٹ پڑیں اور سات خوبصورت
نوجوان اس میں سے نکلے اور جب پارول[1] پھول کی کلی پھوٹی تو اُس میں سے ایک
حسین لڑکی نکلی۔ یہی پھول اوپر سرکتا تھا اور ہر بار اس کی آواز گیت کی شکل میں
سنائی دیتی تھی۔ ساتوں لڑکوں اور آٹھویں لڑکی نے سولتا کو کہا۔ "ماں! ماں۔ پیاری
ماں! ہماری اچھی بھولی بھالی ماں! آپ کو ہماری خاطر اتنی دیر دکھ اُٹھانے پڑے" انھوں
نے سولتا کو گلے سے لگایا اور بڑے پیار سے اس کا مُنہ چومنے لگے۔
جو کچھ بھی ہو رہا تھا۔ سولتا اور راجہ دونوں اس پر حیران تھے۔ وہ سمجھ نہ سکے
کہ کیا بات ہے۔ تب بھولی بھالی اور پیاری سی لڑکی پارول نے ساری کہانی کہہ سنائی
کہ کس طرح وہ اور اُس کے بھائی پیدا ہوئے اور کیسے بڑی رانی پریم لتا نے انھیں محل

---

[1] یہ بنگال کا ایک خوشبو دار پھول ہے۔

کے پچھواڑے والے باغ میں زندہ دفنا دیا اور خدا نے کیسے انھیں موت کے منہ سے بچایا تاکہ جب تک چمپا کے درخت پر پھول نہیں آجاتے وہ زندہ رہیں۔ انھیں معلوم تھا کہ جس روز اُن کی ماں نے انھیں چھو لیا وہ پھر جیتے جاگتے انسانوں کی شکل میں ظاہر ہو جائیں گے۔

جب سولتا کو معلوم ہوا کہ وہ اُن آٹھوں بچوں کی ماں ہے تو اُس کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور فوراً اپنے دکھ بھول گئی اور بڑے پیار محبت سے انھیں چھاتی سے لگا لیا۔

سولتا کے ساتھ ہوئی ناانصافی کو دیکھ کر راجہ آگ بگولا ہو اٹھا۔ کیونکہ اس میں بڑی رانی پریم لتا اور راجہ کی باقی رانیوں کی شرارت اور خباثت کو دخل تھا۔ راجہ نے فوراً اس پچھواڑے والے باغ میں ایک بہت بڑا گڑھا کھودنے اور اس پر کانٹے بچھانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ان چھیئوں رانیوں کو اُس گرا دیا۔ پھر اس گڑھے کو مٹی سے بھروا دیا گیا۔ وہ تمام رانیاں وہیں مر کھپ گئیں۔ اس طرح ان چڑیل رانیوں کو اپنے کیے کی سزا مل گئی۔

اس کے بعد راجہ نے سولتا اور اس کے آٹھوں بچوں کو محل میں بلا لیا اور وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

بہار

ہونہار بروا

پٹنہ کے قریب ایک جنگل تھا۔ اس کا نام تھا پپلی کانن۔ بہت دن ہوئے پپلی کانن میں ایک طرف ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت کھڑی تھی۔ اُسے دیکھ کر یوں لگتا تھا گویا کبھی اس عمارت کی شان بھی نرالی ہوگی۔

ایک روز دوپہر کے وقت چند بچے عمارت کے قریب ایک ٹیلے پر راجہ کا کھیل کھیل رہے تھے۔ ایک لڑکے کے چہرے پر کچھ عجیب سا نور چھایا ہوا تھا۔ اسی باعث اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ راجہ بنا تھا۔ باقی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے تھے۔

اسی وقت ایک برہمن ٹیلے کے قریب پہنچا۔ اس کا سر گھٹا ہوا تھا اور سر پہ ایک بڑی سی لمبی چوٹی نظر آرہی تھی اس نے لڑکے کو نہایت غور سے دیکھا اور ازراہِ مذاق بول اُٹھا۔ "مہاراج! میں ایک غریب برہمن ہوں۔ مجھے دودھ پینے کے لیے ایک گائے چاہیے۔"

سامنے میدان میں بہت سی گائیں چر رہی تھیں۔ اُس لڑکے نے فوراً ان کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے برہمن سے کہا۔" جاؤ ان گائیوں میں سے جتنی گائیں چاہو لے لو۔"

برہمن بولا۔" مہاراج! وہ گائیں تو اوروں کی ہیں۔ اگر اس کے لیے کوئی مجھے سزا دے تو۔ . . . ."

لڑکے کی بھوئیں تن گئیں۔ اُس نے چھاتی پھلا کر برہمن کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔" کس میں ہمت ہے جو ہمارے حکم کی عدولی کرے۔"

لڑکے کی بات سن کر برہمن سناٹے میں آگیا اور وہ دل ہی دل میں اُس کی ہمت کی تعریف کرنے لگا۔

برہمن ابھی اپنے دل میں سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں راجہ بنے ہوئے لڑکے کی ماں باہر نکل آئی۔ وہ اُسی مکان میں رہتی تھی۔ اُس نے جب برہمن کو لڑکے کے پاس کھڑے دیکھا تو وہ سن سی رہ گئی۔ اُس نے سمجھا کہ ضرور یہ کوئی راجہ کا جاسوس ہے اور اس کی کیفیت جاننے آیا ہے۔

ان دنوں پٹنہ کو پاٹلی پتر کہا جاتا تھا۔ وہاں ایک بہت بڑا راجہ حکومت کرتا تھا۔ اُس کا نام نند تھا۔ یہ لڑکا اس راجہ کے سپہ سالار کا بیٹا تھا۔ راجہ نے کسی وجہ سے ناخوش ہو کر سپہ سالار کو جیل میں بند کرا دیا تھا اور لڑکا اپنی ماں کے ساتھ جنگل میں رہتا تھا۔

لڑکے کی ماں ڈر کر فوراً برہمن کے پاس جا پہنچی اور بولی۔ "مہاراج! معاف کیجیے۔ یہ لڑکا بڑا چنچل ہے۔ اگر اس نے آپ کی شان میں کوئی گستاخی کی ہو تو آپ بچہ سمجھ کر اس کی بات پر دھیان نہ دیجیے گا۔"

برہمن نے کہا۔ "بہن تم اس بچے کی فکر مت کرو۔ یہ بڑا ہونہار بچہ ہے۔ تمھیں اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا چاہیے۔ تم اسے میرے ساتھ بھیج دو۔ میں اسے مہاراج نند کے دربار میں لے جاؤں گا۔"

پہلے تو لڑکے کی ماں اُسے دربار میں بھیجتے ہوئے گھبرائی۔ لیکن جب برہمن نے مسلسل ضد کی تو اس نے لڑکے کو اُس کے ساتھ بھیج دیا۔

برہمن لڑکے کو اپنے ساتھ لے کر مہاراج نند کے دربار میں جا پہنچا۔ جب برہمن اور لڑکا دربار میں پہنچے اس وقت تمام دربار ایک گہرے معاملے پر آپس میں غور و فکر کر رہے تھے۔

دربار کے عین بیچوں بیچ لوہے کا ایک پنجرہ رکھا تھا۔ اس میں ایک شیر بند تھا۔ یہ پنجرہ کسی دوسرے دیس کے راجہ نے مہاراج نند کے دربار میں بھیجا تھا۔ اور یہ کہلوایا تھا کہ جو شخص لوہے کا یہ پنجرہ توڑے بغیر شیر کو باہر نکال لے گا اسے سب سے زیادہ دانش مند سمجھا جائے گا۔ راجہ نند کے دربار کے بڑے بڑے عالموں اور دانشوروں نے سر مارا لیکن کسی کو سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ پنجرے کو توڑے بغیر شیر کو باہر کیسے نکالا جا سکتا ہے۔

لڑکا برہمن کے ساتھ دربار میں پہنچا تو اس نے بھی پنجرے کو ایک نظر دیکھا اور پھر اس نے مہاراج نند سے کہا۔" مہاراج میں شیر کو پنجرہ توڑے بغیر باہر نکال سکتا ہوں۔"

راجہ نند بچّے کی بات سن کر پہلے تو بھونچکا رہ گیا تو پھر اس نے کہا۔" اگر تو شیر کو باہر نہیں نکال سکے گا تو تجھے پنجرے میں شیر کے پاس ڈال دیا جائے گا۔"

لڑکے نے یہ شرط قبول کر لی اور اپنا سر خم کر دیا۔

اس کے بعد لڑکے نے پنجرے کے چاروں طرف آگ جلادی۔ دراصل پنجرے کا شیر موم کا بنا ہوا تھا۔ لڑکے نے دربار میں آتے ہی دیکھ لیا تھا کہ شیر حرکت نہیں کر رہا۔ اس نے سمجھ لیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

ادھر آگ کی گرمی سے پنجرے کی سلاخیں گرم ہوئیں تو اُس کی تپش سے موم کا وہ شیر پگھل کر باہر نکل آیا۔

لڑکے کی اس ہوشیاری سے راجہ بہت خوش ہوا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا۔ " کہو، تمھیں کیا انعام دیا جائے۔"

برہمن لڑکے کے پیچھے کھڑا تھا وہ فوراً بولا۔" مہاراج آپ اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کر دیجیے۔ یہی اس کا انعام ہے۔"

مہاراج مان گئے اور لڑکے کو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے ٹیکسلا بھیج دیا گیا۔ یہی لڑکا تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد شہنشاہ چندر گپت کے نام سے مشہور ہوا اور وہ مردم شناس برہمن تھا چانکیہ۔

پنجاب

چار دوست

ایک گھر میں ایک بلی رہا کرتی تھی۔ جب وہ جوان تھی تو گھر کے چوہے پکڑ لیتی تھی۔ اسی لیے وہ گھر میں چلتی پھرتی اچھی لگتی تھی۔ جب وہ بوڑھی ہو گئی تو اس تمام دانت جھڑ گئے۔ اب چوہے اُس سے پکڑے نہیں جاتے تھے۔ سارا دن گھر کے برتنوں میں مُنہ مارتی رہتی اور سارا دن میاؤں میاؤں کر کے گھر والوں کے کان کھاتی رہتی۔ نکماپن ہر ایک کو برا لگتا ہے۔ ایک روز گھر والوں نے تنگ آکر اُسے ڈنڈے مار مار کر گھر سے باہر نکال دیا۔

بلی بچاری ڈانواں ڈول پریشان حال گھبراتی ہوئی جنگل میں چلی جا رہی تھی کہ گاؤں سے باہر اُسے گاؤں کی طرف آتا ہوا ایک مُرغہ ملا۔ بلّی نے مُرغے سے پوچھا۔ "بیٹا کہاں چلے؟ مرغے نے جواب دیا۔ "موسی! جانا کہاں ہے؟ میری رام کہانی بڑی دردناک ہے۔ جب میں جوان تھا تو صبح سویرے بانگ دیا کرتا تھا۔ اسی لیے میں سارے گھر کی شان تھا۔ اب بوڑھاپے میں آواز ہی نہیں

نکلتی۔ بانگ کیونکر دوں؟ اسی لیے میں گھر والوں کو برا لگتا تھا۔ آج میرے مالک کے گھر مہمان آئے ہیں۔ مالک مالکن سے کہہ رہا تھا۔ آج شام کو مرغہ پکایا جائے۔ اب یہ ہمارے کون سے کام سنوارتا ہے!"

مجھے شک ہوگیا۔ جان کسے عزیز نہیں ہوتی۔ میں تو وہاں سے آنکھ بچاکر بھاگ آیا۔ بلّی بولی "چل میرے ساتھ۔ میں گانا سیکھنے جارہی ہوں۔ جب ہم یہ ودیا سیکھ کر آئیں گے تو دنیا ہماری قدر کرے گی۔"

بلّی اور مرغہ دونوں چل پڑے۔ راستے میں انھیں ایک کتّا ملا۔ بلّی نے کتّے سے پوچھا۔ "بھیّا کہاں چلے؟ کتّے نے جواب دیا۔ "نہیں کچھ نہ پوچھو۔ میں تو بہت دکھی ہوں۔ پریشان گھوم رہا ہوں۔ جب جوان تھا ساری رات بھوں بھوں کر کے محلہ سر پر اُٹھائے رکھتا تھا۔ مالک کے گھر چڑیا تک پر نہیں مار سکتی تھی۔ تب مالک بھی مجھے بہت پیار کرتا تھا۔ پینے کو دودھ اور کھانے کو روٹی دیتا تھا۔ کبھی کبھی گوشت کی دعوت بھی ہوجاتی تھی۔ اب بوڑھاپے کی وجہ سے میں اچھی طرح بھونک نہیں سکتا۔ گھر کی چوکسی کیا ہوگی اسی لیے اب مجھ سے کوئی ڈرتا نہیں۔ میرے مالک نے مجھے ناکارہ سمجھ کر مجھے ڈنڈے مار مار کر گھر سے نکال دیا ہے۔"

"ہم بھی اسی غم کے مارے ہیں بھائی! ہمیں بھی گھر سے نکالا گیا ہے۔ ورنہ کون بھرا گھر چھوڑ کر آتا ہے۔ بلّی نے جواب دیا۔ "چلو اب گانا سیکھنے چلیں

ہنر ہاتھ آجائے گا تو لوگ ہمیں پوچھیں گے۔"

کتا فوراً مان گیا۔ اور اس کے ساتھ چل پڑا۔

وہ تینوں ابھی آدھا کوس ہی چلے ہوں گے کہ راستے میں اُنھیں ایک گدھا مل گیا۔ بلّی نے گدھے سے پوچھا۔ "مہاراج! آپ اکیلے کہاں گھوم رہے ہیں؟ گدھا روہانسا ہو کر بولا۔ "میں بہت دکھی ہوں۔ مجھے میرے بوڑھاپے نے مار رکھا ہے۔ جب میں جوان تھا تو تین تین من بوجھ پیٹھ پر لاد کر بیس بیس کوس تک چلا جاتا تھا۔ رات دن جب بھی بوجھ لاد کر مجھے آگے کر دیا جاتا میں کوئی حیل وحجت نہ کرتا۔ بے چوں چراں کام پر لگا رہتا۔ اب بوڑھاپے نے میری کمر توڑ دی ہے۔ ہڈی ہڈی کمزور ہو چکی ہے۔ اب جب بھی مجھ پر بوجھ لادا جاتا ہے میری ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں اور میں گر پڑتا ہوں۔ سچ ہے نکمّے اور بیکار کو تو کوئی گھر بٹھا کر نہیں کھلاتا۔ میرا مالک ایک کمہار ہے۔ اُس نے میری پہلی خدمت کی کوئی قدر نہ کی اور مجھے مار مار کر گھر سے نکال دیا۔"

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ساری دنیا گن کی گاہک ہے۔ ہم تینوں گانا سیکھنے جا رہے ہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔" بلّی نے کہا۔

گدھا راضی ہو گیا اور اُن کے ساتھ چل پڑا۔

بلّی، مرغا، کتّا اور گدھا یہ چاروں چلتے چلتے ایک گھنے جنگل میں جا پہنچے۔ انھیں جنگل میں گھومتے گھومتے رات ہو گئی۔ انھوں نے دن بھر کچھ نہیں کھایا تھا۔

اس لیے انھیں بھوک بھی خوب لگ رہی تھی کتّے نے بلی سے کہا۔ "بہن! چلو
وہاں چلیں جہاں کچھ کھانے کو ملے۔"

بلّی کے کہنے پر مرغہ ایک بڑے سے درخت پر چڑھ گیا۔ اس نے بہت
دور روشنی دیکھی۔ مرغے نے نیچے اتر کر اپنے تمام ساتھیوں کو بتایا۔ سب
آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے اور آخر اُس جانب چلنے کو تیار ہو گئے۔ کتا
گدھے پر چڑھ گیا کتے کی پیٹھ پر بلی جا بیٹھی اور بلّی پر مرغا آ بیٹھا۔ گدھا آہستہ
آہستہ چلنے لگا۔ مرغہ راستہ بتا تا رہا تھا۔ وہ سب اس جانب کشاں کشاں
چلے جا رہے تھے کہ جہاں مُرغ نے روشنی دیکھی تھی۔

جب وہ قریب آئے تو کیا دیکھا کہ وہ ایک مکان تھا۔ اندر دیا جل
رہا تھا۔ اس میں دو کوٹھے تھے۔ وہ دراصل ڈاکوؤں کا ڈیرہ تھا۔ وہاں چار
ڈاکو رہتے تھے۔ وہ دور دراز علاقوں میں ڈاکے مار کر وہاں پناہ لیتے تھے۔
گھنے جنگل کی وجہ سے وہاں انھیں کوئی پکڑ نہیں سکتا تھا۔ اس مکان کے
دروازے کے قریب جا کر بلی نے کہا۔ "سب اپنا اپنا راگ الاپو۔"

گدھا زور زور سے رینگنے لگا۔ کتا بھونکنے لگا۔ بلّی نے بھی میاؤں میاؤں کرنا
شروع کر دیا۔ اور مرغے نے ککڑوں کوں کرتے ہوئے بانگ دینی شروع کر دی
یہ سن کر ڈاکو ڈر گئے۔ وہ سمجھے یہاں کوئی بھوت، پریت آ گیا ہے۔ ڈاکو مکان
میں پڑنے والی صحن کی دیوار پھاند کر بھاگ گئے۔ یہ چاروں بھوت نما جانور اندر

چلے گئے۔ آگے پکی پکائی روٹیاں اور دال رکھی تھی۔ بلی کتے اور مرغے ان سے اپنا پیٹ بھرلیا۔ اندر چنے کا ڈھیر تھا۔ بھوکے گدھے نے بھی چنے کے ڈھیر میں منہ مار کر اپنے پیٹ کی آگ بجھالی۔ چاروں بھر پیٹ کھا کر سو گئے۔ گدھا چنے کے ڈھیر میں لیٹ گیا۔ کتا چولھے میں منہ ڈال کر بیٹھ گیا۔ مرغے نے کوٹھے کے باہر برآمدے میں پڑے ہوئے شہتیر پر ڈیرہ ڈال دیا اور بلی پلنگ پر پڑے لحافوں پر جا بیٹھی

ڈاکو دور جنگل میں جا کر رک گئے۔ وہ سب بڑے بہادر تھے۔ ان میں سے ایک ان کا سردار تھا۔ ایک بولا "سردار، معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کون سی بلا تھی جو ہمارے گھر آگئی!"

چاروں ڈاکو گھر کے دروازے کے قریب آ کر ایک دوسرے کو اندر جانے کے لیے اُکسا کر ٹہوکا دینے لگے۔ اندر جانے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ البتہ اُن میں سے ایک ڈاکو زیادہ دلیر اور طاقتور تھا۔ اُس نے کہا۔ "تم سب باہر ٹھہرو۔ میں اندر جاتا ہوں۔"

اس نے اپنی چادر تھامی۔ پگڑی باندھی اور کندھے پر لاٹھی رکھ لی۔ وہ دبے پاؤں اندر گیا۔ دیا بجھ گیا تھا۔ اندھیرا گھپ تھا۔ لحافوں پر بیٹھی بلی کی آنکھیں چنگاریوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ نہ اُس نے سوچا کہ لحافوں پر کوئی چنگاری چھوڑ گیا ہے۔ اُسے جھاڑ دینا چاہیے۔ لہٰذا یہی سوچ کر اُس نے آگے بڑھ کر ہاتھ مارا آہٹ سن کر بلی چونکی وہ تاک میں بیٹھی تھی۔ اُس نے ڈاکو کی آنکھوں میں ایسے

پنجے مارے کہ وہ بلبلا اٹھا۔اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔وہ ہڑبڑا گیا۔ اُسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔اُسے چلچلاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

پاؤں کی آہٹ سن کر چولھے میں دبکا پڑا کتا بھی چونکا۔وہ جھٹ سے اُٹھا اور بھونکے بغیر ہی اس نے ڈاکو کا پیر اپنے منہ میں دبا لیا۔اس سے ذرا کھلبلی مچی۔گدھا بھی چنے کے ڈھیر سے اُٹھا اور دوسرے کمرے میں آ گیا۔اس نے بھی پانچ سات دولتیاں ڈاکو پر جھاڑیں۔اُدھر شہتیر پر بیٹھے مرغ نے بھی پر پھڑپھڑائے۔

ڈاکو کی تو توبہ ہی بول گئی۔وہ جان بچا کر ہائے وائے کرتا ہوا وہاں سے بھاگا۔اُس کے ساتھی ڈاکو اسے بھاگتا آتا دیکھ کر پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔وہ بھی اُن کے پیچھے بھاگا اور دور جنگل میں اُن سے جا ملا۔ڈاکو کی سانس پھول رہی تھی اور دم باہر نکل رہا تھا۔آخر جب دم میں دم آیا تو اُس کے ساتھیوں نے پوچھا۔"کہو تمھارے ساتھ کیسی گذری؟"

اُس نے بتایا۔"جب میں اندر گیا تو اندھیرے میں مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔کیونکہ دیا کسی نے پہلے ہی بجھا رکھا تھا۔اندر اندھیرا گھپ تھا۔لحافوں پر آگ کی چنگاریاں پڑی تھیں۔میں نے انھیں بجھانے کے لیے ہاتھ مارا تو ایک بھوت نے مجھے اندھا کر دیا۔جب میں پیچھے ہٹا تو کسی نے میرے پاؤں کو چھرے سے زخمی کر دیا تبھی کسی نے پیچھے سے لاٹھیاں مارنی شروع کر دیں۔اُس نے مار مار کر میرا بھرکس نکال دیا۔کوئی اور بھوت اوپر بیٹھا پکڑو پکڑو کہہ رہا تھا۔میں تو بڑی مشکل سے

جان بچا کر آیا ہوں۔"

اس کے بعد وہ تمام ڈاکو ایسے بھاگے کہ دوبارہ وہاں کا رُخ نہ کیا۔ ادھر اس مکان میں یہ چاروں دوست بلّی، مرغہ، کتّا اور گدھا مزے سے اپنے دن کاٹنے لگے۔ اندر کے چنے کے ڈھیر اور باہر اُگی گھاس سے وہ اپنے پیٹ بھر کر بھوک مٹاتے رہے۔

تامل ناڈو

نند نار

تامل ناڈو میں دریائے کاویری کے کنارے ایک گاؤں ہے جس کا نام ہے اتھانور۔ چھ سو سال قبل اسی گاؤں کے ایک ہریجن گھرانے میں ایک بچے نے جنم لیا۔

ہریجنوں کو سماج سے باہر سمجھا جاتا ہے۔ انھیں چھونا تو درکنار دیکھنا تک بھی منحوس تصور کیا جاتا ہے۔ وہ سب ایک علیٰحدہ علاقہ چیری میں رہتے ہیں۔ برہمن غلطی سے بھی ان کی جانب دیکھ نہیں سکتے۔ گاؤں کے کنوئیں سے پانی لینے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔

لیکن خواہ برہمن ہو یا ہریجن - ہر ماں کو اپنا بچہ پیارا لگتا ہے۔ اس ہریجن عورت نے بھی اپنے بیٹے کی پیدائش پر خوشی منائی۔ بچے کا باپ بھی بہت خوش تھا۔ اسے امید تھی کہ وہ بڑا ہو کر اس کے کام میں ہاتھ بٹائے گا۔ انھوں نے اپنے بچے کا نام نندن رکھا۔

نندن نے گندی بستی میں پرورش پائی۔ بچے مٹی میں رہتے تھے۔ نندن اپنے دوستوں کے مقابلے زیادہ تندرست اور توانا تھا۔ اس لیے اس کے دوست اسے اپنا لیڈر مانتے تھے۔ اُسے دیوی دیوتاؤں کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں بنانے کا بہت شوق تھا۔ وہ اُن کے سامنے ناچتا گاتا اور اپنے دوستوں کو بھی ایسا کرنے کو کہتا۔

اکثر اوقات وہ اپنے دوست مارن سے پھول لانے کو کہتا۔ "آؤ اس مورتی کے لیے پھولوں کی مالا بنائیں۔" وہ کہتا۔

مارن پھول کہاں سے لائے چیری کی سرحد پر کچھ جنگلی جھاڑیاں تھیں۔ مارن اُس کی حد تک جا کر پھول چنتا۔ لیکن وہ پھول نندن کے پاس پہنچتے پہنچتے مُرجھا جاتے۔ انھیں کے وہ ہار گوندھتے اور مٹی کی مورتی گلے میں ڈال دیتے۔

نندن وہ تمام کام بھی جانتا تھا جو اس کی ذات کے لوگ کیا کرتے تھے۔ وہ کھیتوں میں بیج بونے اور فصل کاٹنے کے کام میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتا۔ اس کا باپ بڑے فخر سے سر اونچا کر کے اس کی ماں سے کہتا۔ "ہمارا بیٹا بہت محنتی ہے۔" اتھانور کے جس علاقے میں برہمن تھے۔ وہاں بھگوان شیو کا ایک مندر بھی تھا۔ وہ نندن کی چیری سے بہت دور تھا۔ نندن اپنی جھونپڑی سے مندر کے اوپری حصّے کو دیکھ سکتا تھا۔ اس حصّے کو گوپورم کہتے ہیں۔ وہ کھڑا کھڑا اُسے تکتا رہتا۔ کاش وہ مندر میں جا کر بھگوان شنکر کے درشن کر سکتا

لیکن یہ ناممکن تھا کیونکہ وہ ہریجن تھا۔

جوں جوں نندن بڑا ہوتا گیا اس کی بھگتی اور عبادت بھی بڑھتی گئی۔ وہ سوچتا کہ وہ اپنے بھگوان کے لیے کیا کرے۔ کیسے اس کی خدمت کرے اُسے کیونکر رجھائے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں مندر کے مرد نگ کے لیے چمڑا تیار کروں۔ وہ چمڑے کے ایک بڑے ٹکڑے پر کام کرنے لگا۔ اس کا دل اپنے معبود کی محبت اور عقیدت کے نشے میں سرشار تھا۔

اُس کی ماں اگرچہ گندگی میں رہنے کی عادی تھی لیکن وہ بھی کچے چمڑے کی بدبو برداشت نہ کر سکی۔

"ہم یہاں کیسے رہ سکتے ہیں؟" اُس نے پوچھا۔

"لیکن ماں" نندن نے کہا۔ اُس چمڑے کے بنے مردنگ کو جب بھگوان کی پوجا کرنے کے لیے بجایا جائے گا تو اُس کی آواز اور بھی اونچی میٹھی اور صاف نکلے گی۔ ذرا سی بدبو سے تم اتنا کیوں گھبراتی ہو۔؟"

اس کام میں کئی اور دوست بھی نندن کی مدد کرنے لگے۔ اُن سے وہ بھگتی رس اور عبادت کی باتیں کرتا اور بھگوان شیو کی حمد سرائی میں مصروف رہتا۔ ایک روز نندن اپنے دوست کے ہمراہ ایک قریبی گاؤں میں گیا۔ وہاں کا شیو مندر بہت مشہور تھا۔ ہریجن ہونے کی وجہ سے انھیں اس کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا گیا۔ ہریجنوں کو مندر سے دور ہی رہنا پڑتا تھا۔ لیکن

نندن دور ہی سے مندر میں جل رہے چراغوں کی ٹمٹماتی اور جھلملاتی روشنی دیکھ سکتا تھا۔ گھنٹیوں کی مدھر آواز اور بھجن سن کر نندن کا دل فرطِ عقیدت سے جھوم رہا تھا۔ مگر وہاں ایک ایسا مقام بھی تھا جہاں سے نندن پتھر کے بنے شیوجی کے نندی بیل کا بت دیکھ سکتا تھا۔ شیوشنکر نندی کی سواری کیا کرتے تھے۔ یہ بھگوان شیو کی مورتی کے عین سیدھ میں تھی۔ اسی لیے باہر کھڑے لوگ بھگوان شنکر کے درشن نہیں کر سکتے تھے۔

''کاش نندی ذرا ایک طرف ہو جائے۔ نندن سوچ رہا تھا۔ تب میں شاید بھگوان کو دیکھ سکوں۔ مگر مجھے تو ایسا سوچنا تک بھی نہیں چاہیئے۔ نندن کے ذہن میں دوسرا خیال گشت کرنے لگا۔ کہتے ہیں بھگوان شیو نے نندی بیل کو ذرا ایک طرف ہٹ جانے کا حکم دیا۔ تاکہ ان کا بھگت اُن کے درشن کر سکے نندی وہاں سے ہٹ گیا۔ آج بھی وہ اسی مقام پر کھڑا ہے جہاں وہ اپنے مالک کے حکم کے بعد کھڑا ہوا تھا۔

نندن کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُس کی عقیدت اور بھی بڑھ گئی۔ وہ خدا کی محبت کے نشے میں اتنا سرشار رہنے لگا کہ اس کی ذات۔ کے باقی لوگ ڈر سے گئے۔ انھیں یہ محسوس ہونے لگا کہ اس پر کسی بھوت پریت کا سایہ پڑ گیا ہے۔ اسے ان بھوت پریتوں سے نجات دلانے کے لیے انھوں نے اپنے دیوتاؤں کی مورتیاں یکجا کیں۔ یہ دیوتا تھے ویرن، امروتن، کاپتری اور نلاکروپن۔

ان دیوتاؤں کا پجاری ڈھول پیٹ پیٹ کر اور چیخ چیخ کر عجیب و غریب انداز سے مذہبی رسوم ادا کرنے لگا۔ اور ناپاک اور نجس روحوں کو حکم دینے لگا کہ وہ نندن کو چھوڑ دیں۔ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے مرغوں اور مرغیوں کی قربانی دی گئی۔ نندن کو قربانی کے لیے ذبح کیے گئے پرندوں پر بڑا رحم آ رہا تھا۔ لیکن اُس کی سننے والا کون تھا۔

جوں جوں دن گذرتے گئے نندن کی بھگتی اور عبادت بھی بڑھنے لگی۔ اس کے دل میں چدامبرم کی زیارت کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ وہاں کے نٹ راج مندر کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ نندن ہریجن ہونے کی وجہ سے مندر کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا تھا۔ لیکن دور کھڑا رہ کر وہ بھگوان شنکر کے حضور میں اپنی عقیدت کے پھول نذر کر سکتا تھا۔

اُس کے دل میں چدامبرم کے نٹ راج مندر کی زیارت کا شوق اس درجے بڑھ گیا کہ اُس نے سودیوناحی برہمن کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ اُس کے کھیتوں میں کام کرتا تھا۔ وہ اپنے مالک کے پاس گیا اور کافی دور جا کر کھڑا ہو گیا کیونکہ اس کے قریب جانے سے برہمن ناپاک ہو سکتا تھا۔ اسی لیے اور زیادہ احترام کے اظہار کے لیے نندن نے اپنے منہ پر انگلی رکھ دی۔

ان دنوں کے سماجی دستور کے مطابق نندن جیسے ہریجن برہمنوں مویشیوں کی طرح ہی ملکیت تصور کیے جاتے تھے۔ یہ تو نندن کی خوش قسمتی

تھی کہ سودیو ایک نیک دل شخص تھا۔ وہ اس ہریجن نوجوان کا بہت خیال رکھتا تھا۔
"کہو نندن کیسے آئے؟" اس نے پوچھا۔

نندن نے کافی دور سے جھک کر جواب دیا۔ "آپ کا غلام آپ سے ایک وعدہ چاہتا ہے۔ کرپا کر کے آپ اپنے اس ہریجن غلام کو مارکری یعنی دسمبر سے جنوری تک کے مہینے کے دوران تیرو ترائی کے روز چدامبرم جانے کی اجازت دے دیجئے۔ اس روز بھگوان شنکر کے تانڈو ناچ کا تعلق روز قیامت سے ہے۔ اسی لیے وہاں کا نٹ راج مندر خاص طور پر سجایا جاتا ہے۔" سودیو کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ بولا: وہ مارکری کے مہینے میں تیرو ترائی پر تو چدامبرم جائے گا۔ ارے اچھا گے ہریجن! کہیں تیرا دماغ تو نہیں پھر گیا۔ بھاگ یہاں سے میری نظروں سے دور ہو جا۔"

نندن چپ چاپ اپنی چیری میں چلا آیا۔ لیکن اس کا دل بہت بے چین تھا۔ اسے کسی نہ کسی طرح چدامبرم جانا ہی ہوگا۔ چدامبرم اتنا ہی مقدس ہے جتنا بھگوان شنکر کا گھر کیلاش پربت!

اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا بھگوان شنکر اسے خود بلا رہے ہوں۔ وہ ایک بار پھر اپنے مالک کے پاس گیا اور نہایت عاجزی سے کہنے لگا۔ میرے مالک! میں آپ کا حقیر سا غلام ہوں۔ میری عرض ہے کہ آپ مجھے چدامبرم جانے کی اجازت دے دیجئے۔ جب تک میں وہاں جا کر بھگوان کی پوجا نہیں

کرلیتا میرے دل کو سکون نہیں ملے گا۔ میری آتما کو شانتی نہیں ملے گی۔

سودیو بھلا آدمی تھا لیکن نندن کو چدامبرم جانے کی اجازت دینے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا تھا۔ پھر بھی اُسے اُس ہری جن پر رحم آ ہی گیا۔ "اُسے بُرا بھلا کہنے سے کام نہیں چلے گا۔" اس نے سوچا۔ "اسی لیے سودیو نے ایک چال چلی اس کے کئی کھیت تھے۔ جن میں دھان بویا ہوا تھا۔ اب وہ دھان کٹنے کے لیے تیار تھا۔ اس نے نندن سے کہا۔ "ٹھیک ہے تم چاہو تو کل چدامبرم جا سکتے ہو۔ لیکن جانے سے پہلے سارا دھان کاٹ کر اُس کی بوریاں بنا کر اکٹھا کر دو۔"

سودیو سمجھتا تھا کہ نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی۔ یعنی نندن کے لیے صبح تک یہ کام کر کے پورا کرسکنا ناممکن ہو گا اور اس طرح اُسکی چدامبرم جانے کی یہ بے ہودہ رٹ خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اس نے سوچا۔

لیکن نندن کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ شنکر اس کی امداد کو ضرور آئیں گے۔ "میرے مالک! میرے ایشور۔ میرے پربھو مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے آپ ہی میری مدد کیجئے۔ ورنہ میں چدامبرم کیسے جا سکوں گا۔"

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ ناممکن بھی ممکن میں بدل گیا تھا۔ صبح کھیتوں میں دھان کی بوریوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ جس کسی نے بھی پچھلی رات باہر دیکھا اُسے یہی نظر آیا کہ یہ ہزاروں نندن۔ دھان کاٹ رہے ہیں۔ "کیا وہ نندن کے دوست تھے؟ کیا اُس کے دوستوں کی اتنی تعداد زیادہ تھی۔ اگر یہ اُس

کے دوست نہیں تھے تو فصل کاٹنے والے کون تھے؟ وہ کوئی بھی ہوں البتہ آج ناممکن بات بھی ممکن ہوگئی تھی۔

نندن مارے خوشی کے جھوم اُٹھا۔ سیدھا اپنے مالک کو یہ بتانے گیا کہ کام پورا ہوگیا ہے۔

"ناممکن۔" سودیو کو یقین نہیں آیا۔ وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کھیتوں میں گیا۔ جو منظر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ ہکّا بکّا دانتوں تلے انگلی دبا کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

"میرے مالک!" نندن نے عرض گذاری۔ "مجھے آشیرواد دیجیے۔ میں چدامبرم جا رہا ہوں۔"

نندن کی عاجزی انکساری، عقیدت اور پختہ عقیدہ دیکھ کر سودیو کا دل پگھل کر موم ہوگیا۔ وہ آگے بڑھ کر نندن کے قریب پہنچا اور نہایت محبت و احترام سے بولا "نندن مجھے معاف کر دو۔ میں نے انجانے میں بھگوان کے بھگت کو سمجھا نہیں۔ تم چدامبرم جاؤ اور بھگوان نٹ راج کی حاضری بھرو۔ تاکہ تمھارے من کو شانتی مل سکے۔"

تیرو ترائی سے ایک روز قبل نندن چدامبرم کی جانب چل پڑا۔ ہریجن ہونے کی وجہ سے رات اُس نے چدامبرم کے باہر کاٹی۔ مندر کے تنانوے پجاریوں کو اس رات ایک جیسا خواب آیا۔ سب کی روحانی طاقت نے اُن سے کہا: نندن کو

نٹ راج کے مندر میں آنے دو۔"

پجاریوں نے نندن کی تلاش شروع کر دی۔ آخر وہ انھیں باہر ایک کونے میں بیٹھا مل گیا۔ انھوں نے مندر کے دروازے کے سامنے خوب تیز آگ جلا دی نندن بلا جھجک آگ میں گھس کر جلے بغیر دوسری جانب نکل گیا۔ اس کا بال بھی بانکا نہ ہوا۔ اس کے بعد وہ فرطِ عقیدت اور محبت کے عالم میں یوں گانے لگا۔

میرے مالک میں ہوں تیرا بندہ
چاہے اچھا ہوں یا کہ مندہ

میرے مالک میں ہوں تیرا بندہ

لے کے آیا میں دل میں آس
تو نے آنے دیا اپنے پاس

تن بھی گندہ مرا من بھی گندہ
میرے مالک میں ہوں تیرا بندہ

میں ہریجن اِک زمانے کا مارا
دے دیا تو نے مجھ کو سہارا

صرف دھرم و کرم تیرا دھندہ
میرے مالک میں ہوں تیرا بندہ

دان اور پن نہ میں نے کیے ہیں

پھر بھی گیت اپنے گانے دیئے ہیں

تیرے زرت ہی نے ڈالا ہے پھندہ
میرے مالک میں ہوں تیرا بندہ

دیکھنے آیا ہوں ناچ تیرا
تاکہ مٹ جائے من کا اندھیرا

ہوں سوامی تیرے در کا بندہ
ڈال اپنی دیا کا تو پھندہ
میرے مالک میں ہوں تیرا بندہ

وہ گاتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ پھر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد پھر کسی نے اسے وہاں نہیں دیکھا۔

کہتے ہیں کہ اپنے بھگت کے اس اٹل وشواس اور عقیدے کو دیکھ کر نٹ راج بھی ڈانواں ڈول ہو گئے۔ وہ اُس کے استقبال کے لیے آگے بڑھے اور انھوں نے اُسے اپنے اندر سمیٹ لیا اور اس کے ساتھ ہی بھگت اور بھگوان دونوں ایک ہو گئے۔

تری پورہ

ایک تھا ہاتھی

پرانے زمانے میں ایک حالم گاؤں میں ایک عورت اور ایک ہتھنی رہتی تھیں۔ وہ دونوں اُمید سے ہوگئیں۔ وہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ ایک جھونپڑی میں رہتی تھی۔ یہ جھونپڑی دو روایتی طور پر کھڑے کیے گئے ایک چبوترے پر تعمیر کی گئی تھی۔ وہ اپنا بیشتر وقت کتائی میں گزارتی۔

ایک روز وہ اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں کچھ کتائی کا کام کر رہی تھی کہ اچانک اس کے ہاتھ سے نلی چھوٹ کر زمین پر جا گری۔ چونکہ اس کے زچگی کے دن قریب تھے۔ لہٰذا اس کے لیے اِدھر اُدھر چلنا پھرنا نیچے اترنا اور نلی اٹھانا بہت مشکل تھا۔ وہاں ہتھنی کے سوا اور کوئی تھا نہیں۔ جب اس نے آگے بڑھ کر ہتھنی سے مدد کرنے کو کہا اور اس نے نلی اٹھا کر دینے کی ایک شرط لگادی کہ اگر اس کے یہاں لڑکا یا لڑکی ہوگی یا اُدھر ہتھنی کے نر یا مادہ بچہ پیدا ہوگا تو اُن کی شادی ایک دوسرے سے کرنی ہوگی۔ یہ شرط غیر معمولی تھی اور غیر متوقع بھی۔ لیکن اس

بیچاری عورت کو چاروناچار یہ شرط قبول کرنی پڑی۔ شرط قبول کرتے ہی تلی اُس کے ہاتھ میں آگئی اور اس نے کتائی کا اپنا سلسلہ جاری رکھا۔

چند ماہ بعد اُس عورت کے ساتھ ساتھ ہتھنی کے بھی بچہ ہو گیا۔ عورت کے یہاں لڑکی ہوئی اور ہتھنی کے یہاں نر بچہ۔ دونوں بچے آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ لیکن مستقبل میں اُن کی شادی اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ وہ بچپن ہی سے آپس میں گہرے طور پر روشناس نہ ہو جائیں۔ زور زبردستی سے کوئی المناک حادثہ رونما ہونے کا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اُن دونوں کو اس مسئلے کا احساس ہو گیا تھا۔ لہٰذا ان دونوں کو بچپن ہی سے ایک دوسرے کے ساتھ کھیلنے کی تحریک دینی شروع کر دی۔ وہ معصوم بھولے بھالے اور سعادت مند بچے ایک دوسرے کے ساتھ کھیلنے لگے۔ پڑوسی اُنھیں دیکھتے اور اُن کا مذاق اُڑاتے مسلسل طعنہ زنی سے اُن کی زندگی اجیرن ہو گئی۔ انھوں نے ایک دن رات کی خاموشی میں گاؤں چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اُنھوں نے سوچ سمجھ کر منصوبہ بنا لیا اور اُسی کے مطابق قدم اُٹھایا۔

لڑکی کے والدین بہت پریشان تھے۔ انھوں نے سارے گاؤں میں ڈھنڈورہ پٹوا دیا کہ جو کوئی لڑکی کو زندہ سلامت لے کر آئے گا۔ اُس کے ساتھ اُس کی شادی کر دی جائے گی۔ فوراً گاؤں کی پنچایت بلائی گئی۔ پنچوں کو معاملے کی تہہ میں جاکر بہت پریشانی ہوئی۔ انھوں نے تدبیریں سوچنی شروع کر دیں۔ آخر

کافی غور و خوض کے بعد لڑکی کی ماں کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ مسلسل سات روز تک چاول پکائے اور جو بھی وہ تمام چاول کھالے اُس کو لڑکی کو چھڑا لانے کے قابل سمجھا جائے گا پنچوں کے فیصلے کے مطابق لڑکی کی ماں نے سات روز تک چاول پکائے اور آٹھویں روز پوتھین اور رنگ چک نامی دونوں نوجوان تنومند بھائیوں کے سوا گاؤں کے تمام لوگ یکجا ہو گئے۔ دراصل ان دونوں بھائیوں کے کانوں تک یہ خبر پہنچی ہی نہ تھی۔

اب اُنھیں بھی دعوت دی گئی۔ وہ بھی آئے۔ اُنھیں بھی یقین دلایا گیا کہ اگر انھوں نے سارے چاول کھالیے تو لڑکی اُن کی ہو جائے گی۔

کسی سے بھی اتنے ڈھیر چاول نہ کھائے گئے مگر رنگ چک اور پوتھین نے یہ معرکہ سر کر لیا اور شرط کے مطابق انھوں نے لڑکی کی تلاش میں چلنا شروع کر دیا۔ انھوں نے قدموں کے نشان کے ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ نشان آہستہ آہستہ بڑھتے گئے۔ شروع میں یہ نشان چوہے کے پیروں جیسے تھے۔ اُس کے بعد یہ بلّی کے پیروں جیسے ہو گئے۔

اب رنگ چک اور پوتھین چلتے چلتے تھک گئے تھے۔ لہٰذا انھوں نے ایک بہت بڑے درخت کے نیچے رات بسر کی۔ بدقسمتی سے وہ دیوتاؤں کا ڈیرہ تھا۔ رات ہوتے ہی تمام دیوتا یکجا ہوئے۔ لیکن اس رات وہ ڈیرہ دو مسافروں نے پہلے ہی گھیر رکھا تھا۔ ان کی اس حرکت پر تمام دیوتا ناراض ہو گئے۔ اُن راہ گیروں

نے دیوتاؤں کو اپنا نام رنگ چک اور پوتھین بتایا۔ ان دونوں بھائیوں میں رنگ چک چھوٹا تھا اور اُسے جادو کرنا آتا تھا۔ اس لیے جب اس کا نام پہلے پکارا گیا تو دیوتاؤں نے اُسے کچھ نہ کہا۔ درحقیقت اُن میں سے ایک سوتا تھا تو دوسرا پہرہ دیتا۔ آدھی رات سے پہلے رنگ چک پہرہ دیتا اور آدھی رات کے بعد پوتھین

دیوتا پھر آئے اور انھوں نے اس سے بھی وہی سوال کیا۔ پوتھین نے سب سے پہلے اپنا نام بتایا۔ دیوتاؤں نے اُسے پکڑ لیا اور اٹھا کر پھینک دیا اور اسے ایک پتھر کی اوٹ میں رکھ دیا۔ اگلے روز صبح جب رنگ چک جاگا تو اُسے دور فاصلے پر ایک مینڈک کو ٹراتے دیکھا۔ اُسے محسوس ہوا کہ ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔ رنگ چک اُسے اُٹھا کر لے آیا اور اسے اس نے اپنے جادو کے زور سے پھر آدمی بنا دیا۔

اس کے بعد اُن دونوں نے اپنا سفر شروع کر دیا۔ اب قدموں کے نشان بڑے ہوتے گئے۔ آخر دونوں ایک ایسی جگہ جا پہنچے جہاں ہاتھی کے پیروں کے نشان صاف نظر آرہے تھے۔ وہ وہاں رُکے اور قیام روز کیا۔ وہ ہاتھیوں کا باڑہ تھا۔ وہاں بہت سے ہاتھی رہتے تھے۔ رنگ چک چپکے سے باڑے میں گیا اور ان کے درمیان جا پہنچا۔ لڑکی اُن ہاتھیوں کے بیچوں بیچ بیٹھی تھی۔ اُس نے اُسے دیکھا اور اُسے اپنے کندھے پر اُٹھا لایا۔ وہ تیزی کے ساتھ بھاگنے لگا۔ اُدھر ہاتھیوں کے باڑے میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ سب جاگ اُٹھے۔ انھوں نے مزاحمت کی۔ اس کے بعد رنگ چک سے ہاتھیوں کی لڑائی ہونے لگی۔ رنگ چک نے تمام ہاتھیوں

کو تن تنہا پچھاڑ دیا۔ تاہم وہ زخمی ہو گیا تھا اور اس کے جسم سے خون بھی بہنے لگا پوتھین نے اس کے زخموں کو نرم پانی سے دھویا۔ اس سے رنگ چگ کو کچھ راحت ملی اور وہ گہری نیند سو گیا۔

اس دوران پوتھین کے ذہن میں ایک سازش نے جنم لیا۔ وہ رنگ چگ کو اکیلا وہیں سوتا چھوڑ لڑکی کو لے کر بھاگ گیا۔ اس کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھنے کے لیے اس نے ایک چال چلی۔ اس نے ایک بہت بڑے چوہے کے دو دانت اکھاڑ لیے تاکہ وہ دعویٰ کر سکے کہ یہ دانت اسی ہاتھی کے ہیں کہ جس نے لڑکی کو اغوا کیا تھا۔ مگر گاؤں والوں کو یقین نہیں آیا۔ پوچھنے پر اس نے یہ بھی بتا دیا کہ رنگ چگ کو ہاتھیوں نے مار دیا ہے۔ یہ بات اُنھیں جھوٹی نظر آئی۔

جاگنے کے بعد رنگ چگ کو صحیح طور پر احساس ہوا کہ اس کے ساتھ کیا گزری۔ اُس نے فوراً اپنا سفر شروع کر دیا۔ وہ اُسی لڑکی کے گاؤں میں آگیا اور اپنے بھائی کے دعویٰ کو یکسر جھٹلا دیا۔ اب رنگ چگ کی اُس لڑکی کے ساتھ بڑی دھوم دھام کے ساتھ شادی ہو گئی۔

جب حالات معمول پر آگئے تو نوجوان بیوی نے اپنے شوہر سے بیش قیمت زیور لانے کو کہا کہ جو اُسے ورثے میں ملے تھے اور جو اب نرک لوک میں رہنے والے جنوں کے ہاتھوں میں تھے۔

ایک روز مبارک ساعت پر دونوں نوجوان میاں بیوی زک لوک کی طرف چل پڑے ۔ وہ چلتے رہے چلتے رہے۔ آخر گھنے جنگلوں اور پہاڑیوں سے گزرنے کے بعد ایک پہاڑ کی کھوہ کے قریب پہنچے ۔ اس پہاڑ کا راستہ قدرے تنگ تھا اور گھپ اندھیرا تھا ۔ رنگ چک اندر چلا گیا ۔ اور اس کی بیوی باہر کھڑی اس کا انتظار کرنے لگی ۔ بحفاظت لوٹنے کے لیے رنگ چک نے ایک لمبی رسی سے خود کو بڑی مضبوطی سے باندھ دیا تھا اور اُس کا دوسرا سرا اپنی بیوی کو پکڑا دیا اور اُسے یہ ہدایت کر دی کہ نہ اُسے کھینچے رکھے۔

اندر جا کر اُس نے زیورات کا پتہ چلا لیا۔ اُس کی تلاش اور اُسے اپنے قبضے میں لینے کے کام کو پورا کرنے میں اُسے دیر ہو گئی ۔ اس کی بیوی باہر بیٹھی رسی پکڑے اس کا انتظار کرتی رہی۔ جب وہ کئی روز تک نہ آیا تو اس نے سمجھا کہ اُسے جنوں نے مار دیا ہے۔ اُس نے رسی کھولی اُسے پھینک کر گھر میں آگئی بدقسمتی سے جنوں نے رنگ چک کو پکڑ لیا تھا اور انھوں نے اُسے قید کر دیا تھا۔ وہ آدم زاد کے گوشت سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے بے چارہ رنگ چک جنوں سے بچ نکلنے کے جتن نکالنے لگا۔ اُس نے جنوں کے بچّوں سے وعدہ کیا کہ اگر تم میرے ہاتھ پاؤں کھول دوگے تو میں اُس کے بدلے میں تمھیں اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر دے دوں گا۔ یہ بھولے بھالے بچے اُسے چھڑانے کے لیے راضی ہو گئے اور انھوں نے اُس کی رسیاں کھول دیں اور اُس کے عوض

اس نے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اپنے جسم کا تھوڑا سا گوشت کاٹ کر دے دیا۔

اس کے بعد اس نے انھیں ایک اور پیش کش کی کہ اگر تم پائی کا بیج لاکر دو تو وہ گوشت کا ایک اور ٹکڑا تمھیں دے دوں گا۔ پائی کو سوکٹی یا کھیلا بھی کہا جاتا ہے۔

انھوں نے یہ بیج بھی لا دیا۔ رنگ چک نے اس بیج کو جادو کے زور سے توانا کر دیا اور اُسے وہیں بو دیا۔ بیج میں سے انگور پھوٹا کونپلیں نکلیں۔ اس کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ اُس کی شاخیں نکلنے لگیں اور آنِ واحد میں اُس نے ایک بہت بڑے درخت کی شکل اختیار کر لی۔ اک اور موقعہ غنیمت دیکھ کر رنگ چک درخت پر چڑھا اور غار کے دہانے پر جا پہنچا۔ جب درخت سے اُترا تو اُسے وہیں غار کے قریب ایک کلھاڑی نظر آئی اس نے ایک وار سے بھی درخت کو گرا دیا۔ اس سے بہت سے جن اس میں دب کر مر گئے۔ اس کے بعد رنگ چک زیور لے کر اپنی بیوی کے پاس آگیا اور پھر وہ دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

دلّی

لکشمن ریکھا

دلّی میں ایک بازار ہے، بازار سیتا رام۔ محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں وہاں ساہو سیتا رام رہا کرتے تھے۔ ساہو سیتا رام محمد شاہ رنگیلے کے شاہی خزانچی تھے اور لاکھوں کروڑوں کے مالک بھی۔ انھیں کے نام پر بازار سیتا رام آباد ہوا۔ اُن کے بیٹے کی شادی تھی۔ شادی بیاہ کے موقع پر ہندو گھرانے میں گنڈوڑے بانٹنے کا چلن تھا۔ یہ چلن آج بھی ہے۔ اُن دنوں جب بیٹے کی شادی ہوتی تھی تو گنڈوڑے چاندی کے کٹوروں میں بانٹے جاتے تھے گنڈوڑوں کے اوپر کچھ لگایا جاتا تھا۔ رئیسوں میں ایک دوسرے سے بازی مار لینے کی ایک دوڑ سی لگی رہتی تھی۔

لالہ سیتا رام جی اس سوچ میں بیٹھے تھے۔ گنڈوڑوں پر کیا لگایا جائے۔ اپنی ساکھ دیکھ کر وہ طرح طرح کی چیزوں کے متعلق سوچتے رہے۔ پھر دل میں فیصلہ کرکے وہ اپنی ماں کے پاس گئے۔ اُنھوں نے اپنے ہاتھوں سے

خاندان کے خزانے میں اضافہ کیا تھا۔ ہلکا سا فخر کا احساس بھی اُن کے جسم میں سنسنی پیدا کر رہا تھا۔

وہ بہت سنبھل کر بولے۔" اماں سوچ رہا ہوں کہ گنڈوڑوں کے سروں پر اشرفی لگا دی جائے۔"

لالہ سیتا رام کے چہرے پر فخر کی ہلکی سی سرخی دوڑ گئی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اُن کی ماں یہ سن کر حیران رہ جائے گی کہ اُس کے بیٹے کی آج اتنی شان و شوکت ہے کہ وہ گنڈوڑوں پر اشرفیاں چپکا کر برادری میں تقسیم کرائے گا۔

لالہ سیتا رام بھو نچکے سے پڑی کرسی پر بیٹھ گئے اور بوڑھی ماں اندر چلی گئی۔ لالہ سیتا رام بے قراری کے عالم میں بیٹھے یہی سوچتے رہے۔" ماں اندر کیوں چلی گئی؟ کیا اُسے میری بات اچھی نہیں لگی! کہیں وہ یہ تو نہیں سوچ رہی کہ گھر کی نہ جانے کتنی اشرفیاں گنڈوڑوں کے ساتھ بٹ جائیں گی۔ وہ ایک عجیب سی اُدھیڑ بُن میں بیٹھے رہے۔ تقریباً دس پندرہ منٹ بعد اُن کی ماں باہر آئی۔ ہاتھ میں سونے کا ایک بڑا سا تھال تھا جس پر پانچ چھ گنڈوڑے رکھے تھے۔ گنڈوڑے بہت پُرانے تھے۔ بالکل پتھر کی طرح سخت!

ماں نے گنڈوڑے لالہ سیتا رام کے سامنے رکھ دیئے اور کہا۔" ہمارے خاندان کے بزرگ اتنی طرح کے گنڈوڑے پہلے ہی تقسیم کرا چکے ہیں۔ اب کوئی نئی بات سوچی جائے تو ہم دونوں بیٹھ کر صلاح کرتے ہیں۔ لالہ سیتا رام

نے پرانے گنڈوڑوں کو اٹھا کر دیکھا۔ کسی میں موتی جڑے تھے تو کسی میں دیگر جواہرات۔ چند ایک میں سونے کی پرانی اشرفیاں اور مہریں لگی تھیں۔

ماں ٹکٹکی لگائے لالہ سیتارام کی طرف دیکھتی رہی۔ لالہ سیتارام کی انا کی دیوار ایک جھٹکے سے گر پڑی۔ اُنھیں پتہ لگا کہ اُن سے بھی بڑھ کر امیر و کبیر تھے۔ وہ سٹپٹاتے ہوئے ماں کی طرف دیکھنے لگے۔ اُن کی ماں اچانک مُسکرا اُٹھی۔ بولی "بیٹا! تمھیں تو کوئی ایسی چیز گنڈوڑوں پر لگاؤ چاہیے کہ دلی والے ہمیشہ تمھیں یاد رکھیں۔" لالہ سیتارام نے سوکھے گلے سے کہا۔ "تمھیں بتلاؤ، ماں، اب کیا کیا جائے۔"

بوڑھی ماں نے قریب آکر لالہ سیتارام کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! امیروں کی اس دوڑ میں درمیانے لوگ ناحق پس جاتے ہیں۔ ہمیں جھوٹی عزت اور کھوکھلے اہنکار کا ڈھونگ بھی کھائے جاتا ہے اور اپنی حیثیت سے باہر بھی کام کر جاتے ہیں میری صلاح یہ ہے کہ تم اس بار گنڈوڑوں پر کشمش لگاؤ۔ سوکھے میوے کا نکھار ہی تو ہے۔ چھوٹے بڑے سب دم سادھے بیٹھے ہیں کہ دیکھو اب کی بار لالہ سیتارام گنڈوڑوں پر کیا ٹانکتے ہیں اور تمھاری آج کی کرنی ہی کل کے رواج کی لکشمن ریکھا بن جائے گی۔"

لالہ سیتارام کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ماں نے کہا۔ "اس میں تمھارا بڑا پن ہوگا بیٹا! آج سے یہ دوڑ بھی ختم ہو جائے گی۔ دلی کے امراء

غریب سب سکھ کا سالن لیں گے اور تمھاری ہمیشہ واہ واہ ہو گئی۔

لالہ سیتا رام نے گنڈوڑوں پر کشمش ہی لگوائی۔ جب گندوڑے بانٹے گئے تو لالہ سیتا رام نے بہ آواز بلند کہا۔ "میں نے گنڈوڑوں پر قدرت کا بیش قیمت جواہر لگوایا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ قدرت کی گود میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں"۔

لالہ سیتا رام کے رواج کا آج بھی دلّی میں چلن ہے۔ امیر غریب سب گنڈوڑوں پر کشمش ہی ٹانک کر بانٹتے ہیں۔

راجستھان

ایک تھی جادوگرنی

ایک راجہ تھا وہ ہر روز شکار کھیلنے جایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ شکار کھیلتے کھیلتے بہت دور نکل گیا۔ راستے میں ایک گھنا جنگل پڑتا تھا۔ اس جنگل میں ایک جادوگرنی رہا کرتی تھی۔ وہ تیرہ کوس تک جانے والوں کو زندہ نہ چھوڑتی۔ راجہ بھی اُس جنگل سے ہوکر گذرا تو جادوگرنی نے اُسے دیکھ لیا۔ راجہ تیرہ کوس پار بھی نہ کرسکا تھا کہ وہ بول اُٹھی تم کہاں جاؤ گے۔ راجہ سے آنکھیں چار ہوتے ہی وہ اس پر مرمٹی اور اُس نے ایک خوبصورت عورت کی شکل اختیار کرلی۔ راجہ نے پیچھے مڑکر دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت اُس کے پیچھے بھاگی آرہی تھی۔ راجہ نے پوچھا۔ "تو میرے پیچھے کیوں آرہی ہے؟" وہ بولی۔ "میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں"۔ راجہ بھی اُس کے حسن پر فریفتہ ہوگیا۔ اُس نے اُسے قریبی ایک مندر میں لے جاکر شادی کرلی اور پھر اُسے اپنے گھر میں آیا اور اُسے اپنی پٹ رانی بنادیا۔

راجہ کی چھ رانیاں اور بھی تھیں۔ لیکن وہ اپنی اس نئی رانی سے بے حد محبت کرتا تھا۔ مگر وہ تھی تو جادوگرنی۔ کھانے سے پہلے وہ اپنے راجہ کے کھانے کے درمیان انگلی سے لکیر کھینچ دیتی۔ وہ جانتی تھی کہ اس طرح راجہ پر اس کے جادو کا اثر ہو جائے گا۔ اس لیے وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آتی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ آدھی رات کو اٹھ کر راجہ کے اصطبل میں جا گھستی اور دو ایک گھوڑوں کو مار کر کھا جاتی۔ یہ بات کسی کے علم میں نہ تھی اور چند ماہ بعد جب معلوم ہوا تو اصطبل میں سے ننانوے گھوڑے کم ہو چکے تھے۔ تبھی سپاہیوں نے راجہ کو ساری بات بتائی۔ راجہ نے کہا۔ "تم دن رات پہرہ دو۔" وہ سپاہی اسی دن سے پہرہ دینے لگے۔ مگر وہ رانی بھی بلا کی جادوگرنی تھی۔ وہ مچھر بن کر اصطبل میں داخل ہوتی اور ایک دو گھوڑوں پر ہاتھ صاف کر لیتی۔ راجہ کو اب تک اس بات کا علم نہ ہوا کہ یہ شیطانی حرکت کرتا کون ہے! وہ سوچ میں ڈوب گیا کہ اب کیا کیا جائے۔ جوں ہی وہ جادوگرنی رانی کے بھیس میں آئی تو بولی: "مہاراج! آپ کو آج کل کونسی پریشانی ستائے رہتی ہے؟" راجہ نے جواب دیا۔ "رانی! سپاہیوں کے کڑے پہرے کے باوجود ہمارے اصطبل سے گھوڑے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔" اس پر رانی نے جواب دیا۔ "مہاراج! آپ گھبراتے کیوں ہیں؟ میں آج رات بھر پہرہ دوں گی۔" راجہ مان گیا۔ رانی پہرہ دینے لگی اور اپنے اس پہرے کے دوران ہی اس نے مچھر بن کر تین چار

گھوڑے مار ڈالے اور خود چھ رانیوں کے محلوں میں جا کر اُن کا گوشت رکھ دیا اور اُن کے مُنھ پر گھوڑوں کا لہو لگا دیا۔ پھر خود جا کر اپنے محل میں سو گئی۔ دن چڑھتے ہی راجہ جاگا۔ اس نے رانی سے گھوڑوں کی کیفیت پوچھی اور پہرے کے متعلق تفصیل معلوم کرنی شروع کر دی۔ رانی بولی "راجہ جی مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ آپ کے گھوڑے کون مُار آتا ہے۔ چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے۔" وہ اُسے بڑی رانیوں کے رنواس میں لے گئی۔ وہ سوئی پڑی تھیں اور اُن کے چہرے لہو سے لت پت تھے اور اُن کے قریب گھوڑے کا گوشت پڑا تھا۔ راجہ یہ دیکھ کر مارے غصّے کے آگ بگولا ہو اُٹھا۔ رانی سے بولا "اب ان کا کیا کیا جائے؟" رانی نے کہا "ان کی آنکھیں نکلوا دو اور اُنھیں کسی اندھے کنوئیں میں ڈلوا دو۔ کھانے کے لیے ہر رانی کو آدھ سیر بھنے ہوئے چنے اور ایک گھڑا پانی ہر روز بھجوا دیا کرو۔ اُنھیں یہی سزا ملنی چاہیئے۔"

رانی کی بات راجہ کو جچ گئی۔ پہلے تو اس نے ان رانیوں کی آنکھیں نکلوا دیں اور انھیں راجہ سے لے کر ایک ڈبیا میں رکھ لیا۔ اس کے بعد انھیں ایک ٹوٹے پھوٹے اندھے کنوئیں میں گرزوا دیا ہر رانی کے لیے آدھ سیر بھنے چنے اور ایک گھڑا پانی یومیہ باندھ دیا۔

وہ چھیئوں رانیاں اُمید سے تو تھی ہی۔ چند روز میں اُن کے بچّے ہونے شروع ہو گئے۔ جب جادوگرنی کو پتہ چلا کہ فلاں رانی کے لڑکا ہوا ہے تو وہ اُس

بچے کو چرا کر چھ ٹکڑے کر دیتی اور کہتی اُنھیں آپس میں بانٹ لو۔ چھوٹی رانی کسی بچے کے گوشت کے ٹکڑے کو بھی ہاتھ نہ لگاتی اور اسے اپنے پاس رکھ لیتی۔ اپنے حصّے کے آدھ سیر بھنے چنے کھا کر گزارہ کر لیتی۔ آخر چھوٹی رانی کے بھی لڑکا ہوا۔ اس کی سوتنیں کہنے لگیں کہ ہم بھی تمھارے بیٹے کے چھ ٹکڑے کریں گی۔ چھوٹی رانی بولی کہ میں تمھیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔ وہ کہنے لگیں کہ تم نے بھی تو ہمارے بیٹوں کو کھایا تھا۔ وہ بولی۔ "میں نے تمھارے بیٹوں کو نہیں کھایا۔ نہ ہی تمھارا بیٹا میں نے لیا ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے سب رانیوں کے بیٹوں کے ٹکڑے چھو کر بتائے۔

اس کے بعد چھوٹی رانی کا کنور چند روز میں بڑا ہو گیا اور کئی برس بعد وہ ایک بارہ برس کا لڑکا بن گیا۔ کنویں سے باہر نکل کر وہ اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا۔ اس نے قریبی گاؤں میں جا کر بڑھئی کا کام سیکھ لیا۔ آخر اُس نے کاٹھ کا ایک گھوڑا بنایا اور اُس پر لگام لگا دی۔ وہ کاٹھ کے گھوڑے کو دھکیل کر محل کے قریب لے جاتا اور تالاب میں پانی پلانے لگتا۔ رانی محل کے جھروکے سے بیٹھی یہ تماشا دیکھا کرتی تھی اس نوجوان نے اپنی ماں کی بپتا سن رکھی تھی۔ وہ ہر روز محل کے نیچے کھڑے ہو کر کہتا۔ "کاٹھ کے گھوڑے تیری کھینچوں لگام، پانی پی لے بے دام۔" رانی یہ ہر روز سنتی۔ آخر ایک روز اس نے طعنہ دے ہی دیا۔ "ارے احمق، کیا کاٹھ کے گھوڑے بھی پانی پیتے ہیں۔" یہ سن کر اُس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "کیا رانی بھی گھوڑے کا مانس کھاتی ہے؟" رانی یہ بات سن کر پانی پانی ہو گئی۔ پھر سوچنے لگی کہ اب کیا کیا جائے۔

رانی اپنے رنواس میں آکر اٹواٹی کھٹواٹی لے کر پڑ گئی۔ تبھی راجہ آیا۔ اُس نے دن میں سونے کی وجہ پوچھی تو رانی نے جواب دیا۔ "آج میرے سر میں سخت درد ہے۔" "یہ درد کیسے دور ہوگا مہارانی ۔" راجہ نے سوال کیا۔ "میری ماں کے پاس تانبے کی کٹوری ہے۔ اُس کٹوری میں پانی پیتے ہی یہ درد دور ہو جائے گا۔ نیچے ایک لڑکا کھڑا ہے۔ کسی اور کو بھیجنے کے بجائے اُسی کو بھیج دو۔" راجہ نے فوراً سپاہیوں کو بلوایا اور لڑکے کو محل میں طلب کیا۔ اس نے حکم دیا کہ فلاں جنگل میں جاکر رانی کی ماں سے تانبے کی کٹوری لے کر جلد آؤ۔ رانی کے سر میں سخت درد ہے۔ اس کٹوری میں پانی پیتے ہی اس کا درد دور ہوگا۔ رانی نے ایک رقعہ اپنی ماں کے نام لکھا کہ جس لڑکے کو تمہارے پاس بھیج رہی ہوں اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دینا۔

لڑکے نے رقعہ جیب میں ڈالا اور نکل پڑا۔ راستے میں ایک اور راجہ کی نگری پڑتی تھی۔ وہ مہمان کی خوب آؤ بھگت کیا کرتا تھا۔

جب وہ لڑکا اُس شہر میں پہنچا تو اُسے یہ کہا گیا کہ تمھیں یہیں ٹھہرنا ہوگا۔ وہ بولا۔ "میں نے کیا قصور کیا ہے! پھر اُسے وہاں بٹھایا اور خوب خاطر تواضع کی۔ تھوڑی دیر بعد لڑکے کی آنکھ لگ گئی۔ اچانک راجکماری کا وہاں سے گذر ہوا۔ وہ اس لڑکے کو دیکھتے ہی کھڑی کی کھڑی رہ گئی کہ یہ ضرور کوئی راجکمار ہے۔ اُس نے اُس کی جیب ٹٹولی تو کیا دیکھا کہ اُس کی جیب میں کوئی کاغذ رکھا ہے۔

اس نے چپکے سے اس کی جیب سے کاغذ نکال لیا۔ اُسے پڑھتے ہی ٹھٹھک کر رہ گئی۔ اس نے وہ رقعہ تو اپنے پاس رکھ لیا اور اُس کی جگہ ایک اور رقعہ رکھ دیا۔ جس میں لکھا تھا۔ "ماں یہ تیرے پاس لڑکا آرہا ہے۔ وہ تیرا نواسہ ہے۔ اُسے خوب پیار سے رکھنا۔ اس کو لاڈ چاؤ کرنا۔" یہ لکھ کر اُس نے رقعہ اُس کی بائیں جیب میں رکھ دیا۔

کنور نیند سے بیدار ہوا اور کچھ دیر بعد ہی اُس نے اپنا سفر شروع کردیا۔ چلتے چلتے وہ ایک گھنے جنگل میں جا پہنچا۔ جہاں ایک بڑھیا جادوگرنی رہتی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی لپک کر کھانے کو دوڑی۔ جب لڑکے نے جیب میں رکھا رقعہ دکھایا تو اُسے پڑھتے ہی محبت کا جوش اُبل پڑا۔ وہ اُس پر سو جان سے نثار ہونے لگی۔ وہ اُس پر واری جانے لگی اور اس کے ساتھ لاڈ پیار کرنے لگی۔

لڑکے کو اس بڑھیا کے پاس رہتے کافی دن گذر گئے۔ وہ آپس میں خوب گھل مل گئے تھے۔ وہ جادوگری سے وہاں موجود پرندوں چرندوں کے متعلق پوچھ تاچھ کرنے لگا۔ "نانی یہ تو کوئل ہے تمھارے یہاں کوئل کا کیا کام۔ تو اس کا کیا کرتی ہے! جادوگرنی اسے سمجھانے لگی۔ "بیٹا اس کوئل میں تیرے نانا کی جان ہے۔"

"اور یہ تو طوطا بیٹھا ہے اُسے کیوں بٹھا رکھا ہے؟" لڑکے نے سوال کیا۔

"یہ طوطا ہے جس میں تیری ماں کی جان ہے۔"

اور سن یہ جو چکی رکھی ہے اگر الٹا چلا دیا جائے گا تو میری جان نہیں رہے گی۔ میں فوراً مر جاؤں گی۔"

اس کے بعد اسے وہاں چار ڈبیاں رکھی نظر آئیں تو وہ ان کے متعلق بھی پوچھنے لگا۔ "نانی، اس ڈبیا میں کیا ہے؟ نانی بولی اس ڈبیا کو نہ کھولنا بیٹا۔ ورنہ بہت زور سے آندھی چلنے لگے گی۔" پھر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ دوسری ڈبیا کے متعلق پوچھنے لگا۔ "یہ دوسری ڈبیا میں کیا ہے؟" نانی نے جواب دیا۔ "اس ڈبیا کو کھولنے کی حماقت مت کرنا۔ چاروں طرف آگ ہی آگ برسنے لگے گی۔ اس نے تیسری بار پھر پوچھا۔" نانی اس تیسری ڈبیا میں کیا رکھا ہے؟" نانی نے کہا۔ "اس میں پانی ہے۔ اسے تو بھول کر بھی نہ کھولنا۔ ورنہ موسلا دھار بارش ہونے لگے گی۔ وہ پھر اِدھر اُدھر کی ہانکنے لگا۔ آخر چوتھی ڈبیا کے بارے میں بھی پوچھ بیٹھا۔" نانی! یہ ڈبیا کس لیے ہے۔ پھینک دو اٹھا کر اسے میں۔" اس میں تری پہلی ماؤں کی آنکھیں ہیں۔" وہ یوں ہی باتیں بنا کر بولا۔ "نانی کسی طرح یہ آنکھیں پیچھے بھی لگ سکتی ہیں۔" نانی نے جواب دیا "آنکھیں لگ سکتی ہیں۔ اگر یہ سرئیل یعنی کام دیو گائے کے دودھ میں دھو کر لگائی جائیں۔" اس کے بعد نانی نے باتوں ہی باتوں میں یہ بتایا۔ "یہ اڑن کھٹولا ہے۔ اس میں بیٹھ کر آدمی تھوڑی دیر میں ہی جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ پھر لگے ہاتھ تانبے کی کٹوری بھی دیکھ لو۔"

کئی روز بعد کنور کی منہ بولی نانی کہیں باہر گئی تو اس نے چپکے سے کوئل اور طوطے کے پنجرے، چاروں ڈبیاں اور کٹوری گویا سب چیزیں اپنے پاس چھپالیں اور اُڑن کھٹولے کو تیار کر کے اس کی چکی چلانے لگا نانی تو جہاں تھی وہیں اُس کی ٹیں بول گئی۔ جب جادوگر کو معلوم ہوا تو وہ اُٹھ کر چیختا چلاتا اور بھیانک شکل بنا کر بھاگا۔ مگر کنور نے فوراً ہی ایک ڈبیا کھول دی اور زور سے آندھی چلنے لگی۔ اس کے نتیجے میں جادوگر اس تیز آندھی میں اُڑنے لگا۔ دوسرے لمحے اس نے آگ والی ڈبیا کھول دی۔ تیز آندھی کی وجہ سے آگ آناً فاناً پھیل گئی۔ آخر اُس نے جادوگر کے جسم کو بھی آگ لگ گئی۔ مگر پھر بھی وہ بھاگتا چلا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کنور نے جب تیسری ڈبیا کھولی تو موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ لیکن جادوگر پھر بھی دوڑتا رہا۔ ہر طرف جل تھل ہوگیا۔ اس نے کوئل کو پکڑا اور اس کی ایک ٹانگ توڑ دی تو جادوگر کی ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔ جادوگر لنگڑاتا ہوا بھاگتا رہا۔ راج کمار نے اگلے لمحے کوئل کی گردن مروڑ دی۔ کوئل تڑپنے لگی جس سے جادوگر کا دم بھی گھٹنے لگا اور وہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

اب کنور نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ تانبے کی کٹوری لے کر اور طوطے کا پنجرہ اُٹھا کر اپنے باپ کے شہر کی جانب روانہ ہوگیا۔ چند ماہ بعد وہ اپنے باپ کے دربار میں جا پہنچا اور سیدھا رانی کے محل میں چلا گیا اور تانبے کی کٹوری اُس کے ہاتھ میں تھما دی۔ رانی نے جب دیکھا کہ وہ زندہ

سلامت کٹوری لے کر لوٹ آیا ہے تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اگلے دن پھر بیماری کا بہانہ کر کے لیٹ گئی۔ جب راجہ آیا تو اس نے طبیعت پوچھی۔ رانی نے سڑے انداز سے کہا کہ مہاراج میرا سر درد تو اس طرح ٹھیک نہ ہوگا مجھے جلدی سے سرئیل گائے کا دودھ منگوا دو، یہ دودھ وہی بہادر لڑکا لا سکتا ہے جو تانبے کی کٹوری لایا ہے۔ راجہ نے اس لڑکے کو پھر طلب کیا اور اسے سرئیل گائے کا دودھ لانے کا حکم دیا۔

آخر وہ راجہ کا حکم کیسے ٹال سکتا تھا۔ وہ اسی وقت کمر باندھ کر لوٹا لیے روانہ ہو گیا۔ اور ایک گھنے جنگل میں جا پہنچا اور اس نے کافی دوڑ دھوپ کے بعد سرئیل گائے کا تھان تلاش کر ہی لیا۔ وہاں کئی گائیں بندھی تھیں۔ وہ وہاں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اچانک بڑی گائے سرئیل گائے سے بولی۔ "بہن آج مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کوئی یہاں چھپا بیٹھا ہے۔ اگر وہ خود بخود سامنے آجائے تو منہ مانگی مراد پوری کر دوں گی۔ کنور فوراً باہر آگیا اور بولا گؤ ماتا۔ مجھے سرئیل گائے کا دودھ چاہیے۔" گائے بولی۔ "دیا۔"

کنور کو دیکھتے ہی وہاں تھان پر بندھی تمام گائیں یہ کہتے ہوئے اُسے مارنے کو دوڑیں کہ یہ شیطان ہے۔ اس کی ماں جادوگرنی ہے۔ مگر سرئیل گائے بولی "اس بیچارے کو نہ مارو۔ یہ تو بھلا مانس ہے۔" وہ گائے کنور کے قریب آئی اور دم ہلا کر کہنے لگی۔ "بیٹا خاموش کیوں کھڑے ہو؟ دودھ کیوں نہیں دوہتے؟"

کنور نے اسی وقت سرئیل گائے کا لوٹا بھر دودھ دوہ لیا اور اپنی نگری کی جانب روانہ ہو گیا۔

محل میں آتے ہی وہ اپنی چھوٹی رانی کے پاس گیا اور دودھ کا لوٹا اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ رانی نے تمتما کر کہا۔ "یہ تو سرئیل گائے کا دودھ نہیں ہے کیا پتہ کسی گدھی کا دودھ لے آیا ہو۔"

کنور اُلٹے پاؤں محل سے نکلا اور اُس جنگل میں جا پہنچا جہاں وہ سرئیل گائے بندھی تھی۔ چند روز بعد وہ اُسی گائے کو محل میں لے آیا۔ رانی کے سامنے اُس کا دودھ نکال کر لوٹا سامنے رکھ دیا۔ رانی نے دیکھا کہ یہ کم بخت تو ابھی تک مرا نہیں۔

کنور اس کام دھینو گائے کو اُس اندھے کنوئیں کے قریب لے گیا جہاں جہاں اس کی چھیئوں ماؤں کو گروایا گیا تھا۔ وہ ہر روز اُس گائے کا دودھ نکالتا خود بھی پیتا اور چھیئوں ماؤں کو پلاتا اور اُس گائے کی بھی خوب خدمت کرتا۔

چوتھی ڈبیا اُس نے سنبھال کر رکھی تھی۔ اُس نے اس ڈبیا سے آنکھیں نکالیں اور آنکھیں گائے کے دودھ سے دھو کر اپنی چھیئوں ماؤں کو لگانے سے پہلے ان کی آنکھوں کو دودھ سے صاف کیا اور پھر اُن کی آنکھیں لگائیں۔ اب وہ دیکھ سکتی تھیں۔

چند روز بعد رانی ایک دن پھر اُلٹی کھٹوائی لے کر پڑ گئی اور راجہ سے

بولی۔" مہاراج میرا سر درد تو ٹھیک ہونے میں ہی نہیں آتا۔اس کا اب ایک ہی علاج ہے۔اُس لڑکے کو بلاؤ کہ وہ میرے لیے کہیں سے بھی چاول لاکر لادے تبھی میں جی سکوں گا۔ ورنہ موت میرے سرہانے کھڑی ہے۔"

لڑکے کو پھر طلب کیا گیا۔اُس بار اُسے رانی کی نئی فرمائش بتادی گئی۔مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اُس بے چارے کو پھر جنگل کی خاک چھاننے جانا پڑا۔ایک گھنے جنگل میں اُسے ایک سادھو ملا۔کنور نے سادھو کی خوب خدمت کی۔سادھو اس کی خدمت اور لگن سے بے حد خوش ہوا اور بولا۔" بیٹا میں تیری سیوا سے بہت خوش ہوا ہوں۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔کنور نے کہا۔" باباجی۔مجھے کچھ نہیں چاہیے۔میری رانی ماں بہت بیمار ہے۔اُس کے سر میں سخت درد رہتا ہے۔ اس کی بیماری چاول کھا کر دور ہو سکتی ہے"۔سادھو بولا۔"تو نے چیز تو بڑی کڑی مانگی ہے۔یہاں چاول کہاں۔پھر بھی میں تجھے یہ جادو کا ڈنڈا دیتا ہوں۔جہاں تو بیٹھا ہے۔وہاں ایک راکشس رہتا ہے۔تو اس زمین پر ڈنڈا پھیر دیجیو۔اس سے کشس کی آنکھیں خود بخود نیچی ہو جائیں گی۔وہ تیرا ہر حکم بجا لائے گا۔اس طرح تیرا کام ہو جائے گا۔"

سادھو یہ کہہ کر چلا گیا۔کنور نے ڈنڈا تین بار زمین پر پھیرا۔تبھی جنگل سے ایک راکشس نکلا۔اُس نے اس پر ڈنڈا پھیر دیا۔راکشس کی آنکھ جھپکی تو سادھو پھر سامنے آگیا۔وہ راکشس آدم بو آدم بو چلاتا ہوا سادھو کے قریب آیا اور

بولا۔"یہاں کوئی آدم زاد آیا ہے۔" سادھو اسے دیکھتے ہی مچھر بن گیا۔ وہاں سے چلا اوراسی وقت کنور نے ڈنڈا گھما کر کہا۔"میں تیرا مالک ہوں۔ مجھے پکے پکائے عمدہ چاول چاہئیں۔ آنِ واحد میں وہ پکے چاول کی ہانڈی لے کر اپنی رانی کے پاس محل کی جانب روانہ ہوگیا۔ محل میں پہنچتے ہی وہ رانی ماں کے پاس چاول لے کر حاضر ہوگیا۔ وہ چاول دیکھ کر اپنے دل میں بہت کڑھی کہ یہ کیسے چاول کب آگئے۔ کب چھٹے؟ اور کب پکے؟ کنور نے اپنی چھیؤں ماؤں کو بھی بھر پیٹ چاول کھلائے۔ ایک روز رانی نے پھر کہا۔"آج میرے سر میں پھر درد ہورہا ہے۔ اس لڑکے کو بلاؤ۔" راجہ نے لڑکے کو پھر طلب کیا۔ اس نے جواب دیا۔" مہاراج! اب میں رانی ماں کا سر درد آنکھ جھپکتے ہی دور کردوں گا۔" آج میں ایک ایسا تماشا دکھاؤں گا کہ اسے دیکھتے ہی رانی ماں کا سر درد دور ہو جائے گا۔"

راجہ آمادہ ہوگیا۔ کنور نے راجہ سے کہا۔" تماشے کے لیے محل کے آنگن میں کھلی جگہ چاہیئے۔" راجہ نے محل کے آنگن میں جگہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ دری بچھا دی گئی۔

راجہ کے تمام مصاحبین، درباریوں اور معزز شہریوں کے علاوہ محل کی تمام لونڈیاں، باندیاں اور رانی راجہ کے ساتھ آنگن میں آگئیں۔ تماشہ شروع ہوا کنور تبھی طوطے کا پنجرہ لے کر آیا۔ طوطا دیکھتے ہی رانی کی حالت غیر ہونے لگی۔ کنور نے طوطے کا پنجرہ کھولا۔ پنجرے میں سے طوطے کو نکالا۔ اسے ہاتھ میں پکڑا

رانی اپنی حقیقی صورت میں ظاہر ہو گئی۔ اُس نے ایک خوفناک جادوگرنی کی شکل اختیار کر لی۔ کنور طوطے کا ٹیٹوا دبانے ہی والا تھا کہ وہ اُسے کھانے کے لیے دوڑی۔ سامنے آتے ہی اُس نے طوطے کی ایک ٹانگ توڑ دی۔ جادوگرنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ کنور طوطے کے جسم کا جو عضو توڑتا جادوگرنی کے جسم کا وہی انگ ٹوٹ کر گر جاتا۔ آخر اُس نے ایک جھٹکے سے طوطے کی گردن مروڑ دی جس سے جادوگرنی کا دم گھٹنے لگا۔ اس کے مُنہ سے لہو کی دھارا بہہ نکلی اور اُس نے گر کر وہیں دم توڑ دیا۔

سارے محل میں کھلبلی مچ گئی۔ لڑکے کو گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن اس نے راجہ کو ساری کیفیت کہہ سنائی اور اپنی چھیوں ماؤں پر توڑے گئے مظالم کی داستان بیان کر دی۔

راجہ کنور کی بہادری، سعادت مندی اور ایثار پر بہت خوش ہوا۔ اور چھیئوں رانیوں کو اپنے رنواس میں بلایا۔ چند روز بعد راجہ خود تخت سے دست بردار ہو گیا اور آخر کنور کو گدّی پر بٹھا دیا گیا اور اُس کی تاج پوشی کی رسم بڑی دھوم دھام سے کی۔ کنور نے کئی برس سُکھ چین سے حکومت کی اور وہاں خوش حالی برسنے لگی۔

سکم۔

شادی

تار لونگ اپنی پہلی ماں اپنتو نو کا سب سے چھوٹا بیٹا ہونے کی وجہ سے اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے تمام بھائی اُس سے بڑے تھے۔ وہ بڑے ہوکر دور دراز علاقوں میں چلے گئے تھے۔ جب تار لونگ بڑا ہوا تو اُس کے دل میں باہر جاکر دنیا دیکھنے کی خواہش بیدار ہونے لگی۔

اُس کی ماں نے کہا۔ "نہیں بیٹا! تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔"

"نہیں ماں۔ میں اب بڑا ہوگیا ہوں۔ میں تو باہر جاکر دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے ضد کی۔ اس طرح اُس کی ماں نے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔ اس نے اس کے لیے چاول پکائے اور انھیں بوری میں ڈال دیا اور کہا "بیٹا جاؤ۔ کہیں دیر نہ کرنا۔ رات ہونے سے پہلے گھر آجانا۔"

آخر وہ چلا گیا۔ وہ بہت دور نکل گیا تھا۔ آخر وہ ایک اونچے سے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ جہاں اُسے پکے ہوئے پھلوں سے لدا ہوا ایک درخت نظر
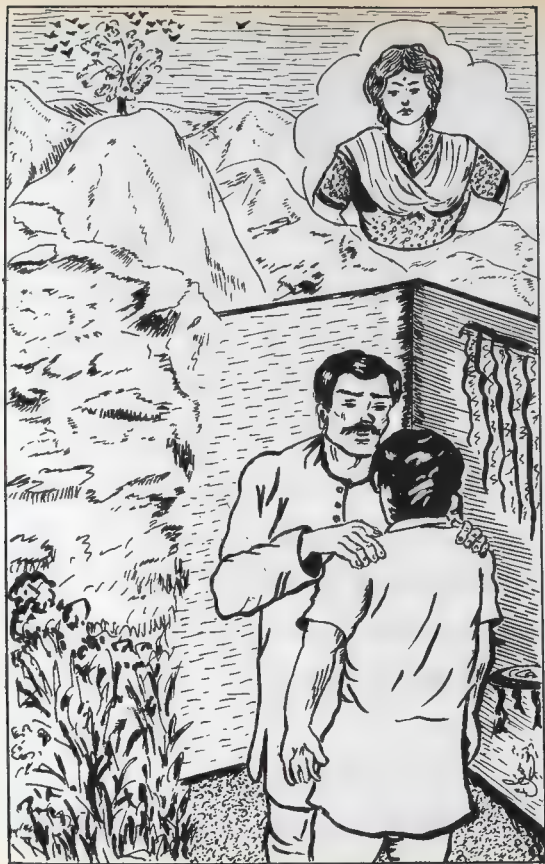
آیا۔ اس نے درخت کے پھلوں پر چونچیں مارتے پرندوں کا جھنڈ دیکھا۔ انھیں دیکھتے ہی اُسے بھی بھوک لگنے لگی اور اپنے چاول کھانے بیٹھ گیا۔ چاول کھانے کے بعد واپس مڑا اور رات ہونے سے پہلے اپنے گھر پہنچ گیا۔

وہ اپنی عادت کے مطابق سیدھا اپنی ماں کی گود میں جا بیٹھا۔ ماں نے اسے دودھ پینے کو دیا۔ اور پھر اس نے پوچھا کہ تم نے دن بھر کیا دیکھا ۔ درخت پر بیٹھے پرندوں کی بات سن کر اُس کی ماں نے اُسے بتایا کہ پرندوں کو پکڑنے کے لیے اُسے بانس اور اس کے ریشوں کا پھندا بنانا چاہیے۔ اس طرح ایک اچھے فرمانبردار بیٹے کی طرح تمھیں میرا یہ کام کرنا ہوگا۔"

جیسے اُسے کہا گیا تھا، اُس نے ویسا ہی کیا۔ بانس اور اُس کے ریشوں سے اُس نے پھندا بنایا اور اگلے روز صبح وہ بہت سے پرندے پکڑ لایا۔ جال دوبارہ بچھا کر وہ پرندے گھر لے آیا اور ابھی ماں سے بولا" ماں۔ ماں! یہ لو پرندے۔ اگر اچھے ہیں تو انھیں اس دودھ کی قیمت کے طور پر قبول کر لو جو تم نے مجھے پلایا ہے۔ اور اگر اچھے نہیں تو انھیں پھینک دو۔" ماں نے جواب دیا "بیٹا۔ یہ تو کھانے میں بہت اچھے ہیں۔ میں اسے دودھ کی قیمت چکانے کے لیے رکھ لیتی ہوں۔"

جب اگلے روز وہ جال میں پھنسے پرندوں نے پھندے کا معائنہ کیا تو اُسے راستے میں ایک نہایت خوبصورت لڑکی ملی۔ اُس کا نام نری پونم تھا۔ وہ

اُس سے محبت کرنے لگا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ اُس کے پاس رہے۔ لیکن اس لڑکی نے اُسے پسند نہ کیا۔ جب وہ اُسے زبردستی اُٹھالے جانے کی کوشش کرنے لگا تو وہ اس میں ناکام رہا۔ آخر کار وہ مایوس اور نامراد گھر لوٹا۔

جب وہ اپنے گھر آیا تو اپنی ماں کو یہ بتایا تو اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر بولی: "اگر تم اُس لڑکی کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو بہتر ہوگا کہ اپنے بھائی کوسی تھینگ کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو وہ باتھم میں رہتا ہے۔

اپتونو کا لاڈلا تاربونگ سیدھا اپنے بھائی کوسی تھینگ کے پاس باتھم جا پہنچا اور اس سے ساری بات کہی۔ اس نے اس سے کہا۔ "میں اُسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

کوسی تھینگ نے جواب دیا۔ "ہاں۔ ہاں بھائی اگر تم اس لڑکی کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمھیں اس کی قیمت چکانی ہوگی۔ تمھیں چی اور مکھن کے ساتھ ایک قربانی دینی ہوگی۔ کیا تمھیں اس سے اتنا پیار ہے کہ اس کے لیے اتنا کر سکو۔"

"میں اُسے بے حد چاہتا ہوں۔ میں اُسے حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔" تاربونگ نے جواب دیا۔

"تب تم نیپال جاؤ۔ وہاں سے قربانی کے لیے ایک سور اور تانبے کا ایک برتن لاؤ۔" کوسی تھینگ نے کہا۔

تاربونگ یہ سن کرنیپال کی جانب روانہ ہوگیا اور چند روز بعد نیپال سے یہ چیزیں لے آیا۔ کوسی تھینگ نے پھر اُسے بھوٹان جاکر وہاں ایک کپڑا لانے کو کہا۔ اس کا نام کامو تھا۔ جب وہ بھوٹان سے کامو بھی لے آیا تو اُسے تبت سے نومبو لانے کو کہا۔ یہ ایک نمدا تھا۔ تاربونگ یہ بھی لے آیا۔ پھر کوسی تھینگ نے اسے مائیل وادی سے باجرہ اور کامیونگ وادی سے ایک بیل لانے کو بھیجدیا۔

جب یہ تمام چیزیں آگئیں تو انھوں نے سوچا کہ قربانی کے لیے واچی[1] تیار کرنے کے لیے باجرہ پکانے کی خاطر آگ کیسے جلائی جائے۔ آگ تو صرف جنّت اور خطۂ ارض کے درمیان بیرونی خلا ہی میں دستیاب تھی جہاں دیو رہتے تھے۔ وہاں کا لوہار تھا۔ وہاں ڈرائیٹ مونگ نامی ایک جن بھی رہا کرتا تھا۔

ایک روز تاربونگ کی ایک پرندے سے دوستی ہوگئی۔ اس کا وہ دوست وہاں جاکر آگ لانے پر رضامند ہوگیا۔ اس نے ڈائٹ مونگ کے گھر پر بھی پرواز کی۔ خوش قسمتی سے اس نے گھر خالی دیکھا۔ اس نے لوہے کی چوٹ سے اُٹھنے والی ایک چنگاری کو اپنی چونچ میں دبایا اور مبادا کوئی دیکھ لے وہ فوراً اُڑان بھر کر واپس آگیا۔ راستے میں اُسے بھوک لگی۔ اس نے چنگاری کو درخت کی ایک ٹہنی پر رکھا اور درخت پر پکے پھل دیکھنے لگا۔ لیکن اچانک ہوا چلنے لگی۔ چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اُٹھی۔ تبھی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور ساری دنیا میں آگ ہی آگ پھیل گئی۔ بے چارہ پرندہ بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔ اور کوسی

---

[1] واچی ایک مشروب ہے جو سکم میں بے حد مقبول ہے۔

تھینگ کے پاس نہ جا سکا۔

تبھی ایک کیڑہ وہاں جانے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ وہ اُڑ بھی سکتا تھا۔ اس کے بعد ڈائیٹ مونگ کے گھر کی جانب روانہ ہوگیا۔ یہ کوئی معمولی کیڑا نہ تھا۔ اُسے ڈائیٹ مونگ کا گھر اُلٹا نظر آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کا گھر اُلٹا ہوگیا۔

جب ڈائیٹ مونگ لوٹ کر آیا تو اُسے اپنا گھر اُلٹا نظر آیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا تو اُسے ایک کیڑا نظر آیا۔ اُس نے سمجھا کہ یہ اس کی شرارت ہوگی۔

"تم نے میرا گھر اُلٹا کیوں کر دیا؟ تمھیں معلوم نہیں میں کون ہوں۔ میں تمھیں جان سے مار دوں گا۔" ڈائیٹ مونگ نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

"تمھارا گھر ہمیشہ اُلٹا ہی رہے گا۔" کیڑے نے جواب دیا۔

دوسرے لمحے انھوں نے آپس میں سمجھوتہ کر لیا۔ کیڑے نے گھر کو سیدھا کر دیا اور ڈائیٹ مونگ نے اُسے آگ کی ایک چنگاری دے دی اُس نے اُسے چقماق کو رگڑنے اور اُس سے آگ جلانے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ کوسی تھینگ کے پاس لوٹتے ہی کیڑے سے وہ چنگاری گم ہوگئی۔ لیکن اُسے چقماق سے آگ جلانے کا طریقہ تو معلوم ہی تھا۔ لہٰذا کوسی تھینگ کے پاس آکر اُس نے دو پتھر رگڑ کر آگ جلا دی۔

کوسی تھینگ نے تانبے کے برتن میں باجرہ پکانا شروع کر دیا لیکن چی بنانے کے لیے تو اُنھیں خمیرہ پاؤڈر کی ضرورت تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ اُسے کہاں سے

تار بونگ یہ سن کر نیپال کی جانب روانہ ہوگیا اور چند روز بعد نیپال سے یہ چیزیں لے آیا۔ کوسی تھینگ نے پھر اُسے بھوٹان جاکر وہاں ایک کپڑا لانے کو کہا۔ اس کا نام کاموتھا۔ جب وہ بھوٹان سے کاموبھی لے آیا تو اُسے تبت سے نومبولانے کو کہا۔ یہ ایک نمدا تھا۔ تار بونگ یہ بھی لے آیا۔ پھر کوسی تھینگ نے اسے مائیل وادی سے باجرہ اور کامیونگ وادی سے ایک بیل لانے کو بھیجدیا۔

جب یہ تمام چیزیں آگئیں تو انھوں نے سوچا کہ قربانی کے لیے واچی[1] تیار کرنے کے لیے باجرہ پکانے کی خاطر آگ کیسے جلائی جائے۔ آگ تو صرف جنّت اور خطۂ ارض کے درمیان بیرونی خلا ہی میں دستیاب تھی جہاں دیو رہتے تھے۔ وہاں کا لوہار تھا۔ وہاں ڈرائیٹ مونگ نامی ایک جن بھی رہا کرتا تھا۔

ایک روز تار بونگ کی ایک پرندے سے دوستی ہوگئی۔ اس کا وہ دوست وہاں جاکر آگ لانے پر رضامند ہوگیا۔ اس نے ڈائٹ مونگ کے گھر پر بھی پرواز کی۔ خوش قسمتی سے اس نے گھر خالی دیکھا۔ اس نے لوہے کی چوٹ سے اُٹھنے والی ایک چنگاری کو اپنی چونچ میں دبایا اور مبادا کوئی دیکھ لے وہ فوراً اُڑان بھر کر واپس آگیا۔ راستے میں اُسے بھوک لگی۔ اس نے چنگاری کو درخت کی ایک ٹہنی پر رکھا اور درخت پر پکے پھل دیکھنے لگا۔ لیکن اچانک ہوا چلنے لگی۔ چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اُٹھی۔ تبھی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور ساری دنیا میں آگ ہی آگ پھیل گئی۔ بے چارہ پرندہ بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔ اور کوسی

---

[1] واچی ایک مشروب ہے جو سکم میں بے حد مقبول ہے۔

تھینگ کے پاس نہ جا سکا۔

تبھی ایک کیڑہ وہاں جانے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ وہ اُڑ بھی سکتا تھا۔اس کے بعد ڈائیٹ مونگ کے گھر کی جانب روانہ ہوگیا۔ یہ کوئی معمولی کیڑا نہ تھا۔ اُسے ڈائیٹ مونگ کا گھر اُلٹا نظر آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کا گھر اُلٹا ہوگیا۔

جب ڈائیٹ مونگ لوٹ کر آیا تو اُسے اپنا گھر اُلٹا نظر آیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا تو اُسے ایک کیڑا نظر آیا۔ اُس نے سمجھا کہ یہ اس کی شرارت ہوگی۔

"تم نے میرا گھر اُلٹا کیوں کر دیا؟ تمھیں معلوم نہیں میں کون ہوں میں تمھیں جان سے مار دوں گا۔" ڈائیٹ مونگ نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

"تمھارا گھر ہمیشہ اُلٹا ہی رہے گا۔" کیڑے نے جواب دیا۔

دوسرے لمحے انھوں نے آپس میں سمجھوتہ کرلیا۔ کیڑے نے گھر کو سیدھا کر دیا اور ڈائیٹ مونگ نے اُسے آگ کی ایک چنگاری دے دی اُس نے اُسے چقماق کو رگڑنے اور اُس سے آگ جلانے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ کوسی تھینگ کے پاس لوٹتے ہی کیڑے سے وہ چنگاری گم ہوگئی۔ لیکن اُسے چقماق سے آگ جلانے کا طریقہ تو معلوم ہی تھا۔ لہٰذا کوسی تھینگ کے پاس آکر اُس نے دو پتھر رگڑ کر آگ جلا دی۔

کوسی تھینگ نے تانبے کے برتن میں باجرہ پکانا شروع کر دیا لیکن چی بنانے کے لیے تو اُنھیں خمیرہ پاؤڈر کی ضرورت تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ اُسے کہاں سے

حاصل کیا جائے۔ یہ پاؤڈر صرف میدانی علاقے میں ایک بڑھیا کے پاس تھا۔

آخر ٹکور نامی ایک اور کیڑے نے بڑھیا کے پاس سے خمیر پاؤڈر لانے کے لیے اپنی خدمات پیش کر دیں پہلے وہ بڑھیا کے پاس گیا اس کے یہاں چند روز رہا اور اس طرح اس کا اعتماد حاصل کر لیا۔

بڑھیا اُسے اپنے پوتے کی طرح سمجھنے لگی۔ پھر اُس نے پینے کے لیے چی تیار کی اُسے پورا یقین تھا کہ اُس نے ٹکور کو ٹوکری میں بند کر دیا تھا۔

ٹکور نے چلا کر کہا۔ ''دادی ماں! میں ٹوکری کے سوراخوں میں سے ہر چیز دیکھ سکتا ہوں۔'' دراصل ٹوکری میں کوئی سوراخ نہ تھا۔ مگر اُس بے وقوف بڑھیا نے سمجھا کہ اس کی یہ بات سچ ہو گی۔ اُس نے ٹوکری وہاں سے ہٹا دی اور اُس کی جگہ ایک ایسی ٹوکری سے اُسے ڈھک دیا جس میں واقعی بہت سے سوراخ تھے۔

ٹکور اب واضح طور پر بڑھیا کی ایک ایک حرکت دیکھ سکتا تھا۔ اُسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ بڑھیا خمیر پاؤڈر ایک برتن میں رکھتی ہے۔ یہ برتن اس کی گردن کے پیچھے بندھا تھا۔

دو روز تک وہ برتن حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن ناکام رہا۔ آخر ایک روز اُسے ایک تدبیر سوجھی۔ اُس نے بڑھیا سے کہا۔ ''دادی ماں تمھارے سر میں بے تحاشہ جوئیں ہیں۔ چلو میں نکال دوں۔''

بڑھیا اس پر بخوشی راضی ہو گئی۔ مگر جونہی نکالتے وقت ٹکور نے چالاکی دکھائی اور چپکے سے برتن اُس کی پیٹھ سے ہٹا لیا اور اُسے لے کر وہاں سے اڑن چھو ہو گیا اسے بھاگتے دیکھ کر بڑھیا کا پارہ گرم ہو گیا۔ وہ چلانے لگی" حرامی! میں تو تجھے اپنے پوتے جیسا سمجھتی تھی۔ لیکن اب پتہ چلا تو تو چور ہے۔ کیسا چور! تو نے میرا خمیر چرایا ہے اور اب تو اسے دنیا بھر میں بانٹتا پھرے گا۔ چوری کا مال جو ہے کتے! میں تجھے اس کی سزا دیئے بغیر نہیں رہوں گی۔ جا میں تجھے بددعا دیتی ہوں۔ کہ جو بھی اسے پیئں گے وہ پینے کے بعد آپس میں لڑتے رہیں گے۔ یاد رکھ میرا شراپ کبھی جھوٹا نہیں جاتا۔

اس بدعا کا یہ اثر ہوا کہ اُس کے بعد جو لوگ بھی چی پیتے وہ پینے کے بعد آپس میں لڑتے رہتے۔

جب ٹکور خمیر یا وڈر لے کر آیا تو چی تیار کی گئی۔ لیکن جب یہ تیار ہو گئی تو پہلے چی سے یہ اتنی تیز تھی کہ اُسے پلانے کے لیے ایک سانپ کو خاص طور پر منتخب کیا گیا۔ سانپ اُسے پیتے ہی فضا میں غائب ہو کر بجلی بن گیا۔ آخر کئی تجربات کے بعد اُس کے مضر اثرات ختم ہو گئے۔

اب چی تیار ہو گئی تھی۔ تار پونگ کی ماں اپتو تو نے مکھن فراہم کیا اور اسے ناری پونم کو پیش کرنے کے لیے کوسی تھینگ کو بھیجا۔ لہٰذا وہ تار پونگ کے ساتھ شادی کرنے کے لیے رضامند ہو گئی۔ شادی کی تقریب میں لاتعداد

بڑھیا اس پر بخوشی راضی ہوگئی۔ مگر جوئیں نکالتے وقت ٹکور نے چالاکی دکھائی اور چپکے سے برتن اُس کی پیٹھ سے ہٹا لیا اور اُسے لے کر وہاں سے اڑن چھو ہوگیا اسے بھاگتے دیکھ کر بڑھیا کا پارہ گرم ہوگیا۔ وہ چلانے لگی "حرامی! میں تو تجھے اپنے پوتے جیسا سمجھتی تھی۔ لیکن اب پتہ چلا تو تو چور ہے۔ کیسا چور! تو نے میرا خمیر چرایا ہے اور اب تو اسے دنیا بھر میں بانٹتا پھرے گا۔ چوری کا مال جو ہے کتے! میں تجھے اس کی سزا دیئے بغیر نہیں رہوں گی۔ جا میں تجھے بد دعا دیتی ہوں۔ کہ جو بھی اسے پئیں گے وہ پینے کے بعد آپس میں لڑتے رہیں گے۔ یاد رکھ میرا شراپ کبھی جھوٹا نہیں جاتا۔

اس بد عا کا یہ اثر ہوا کہ اُس کے بعد جو لوگ بھی چی پیتے وہ پینے کے بعد آپس میں لڑتے رہتے۔

جب ٹکور خمیر یا وڈر لے کر آیا تو چی تیار کی گئی۔ لیکن جب یہ تیار ہوگئی تو پہلے چی سے یہ اتنی تیز تھی کہ اُسے پلانے کے لیے ایک سانپ کو خاص طور پر منتخب کیا گیا۔ سانپ اُسے پیتے ہی فضا میں غائب ہوکر بجلی بن گیا۔ آخر کئی تجربات کے بعد اُس کے مضر اثرات ختم ہوگئے۔

اب چی تیار ہوگئی تھی۔ تارپونگ کی ماں اپتو تو نے مکھن فراہم کیا اور اسے ناری پونم کو پیش کرنے کے لیے کوسی تھینگ کو بھیجا۔ لہٰذا وہ تارپونگ کے ساتھ شادی کرنے کے لیے رضامند ہوگئی۔ شادی کی تقریب میں لاتعداد

لوگ شریک ہوئے۔ اس موقعہ پر چی۔ مکھن اور قربانیوں کے ساتھ تمام دیوتاؤں کی پوجا کی گئی۔

اس طرح تاربونگ اور ناری پونم کی شادی ہو گئی اور اس کے بعد سکم میں شادی کی رسم شروع ہو گئی۔

کرناٹک

غریب داس اور چالیس چور

ستارہ، بیجاپور شہر کی سب سے خوبصورت دلہن تھی۔ اس کا شوہر اس کے رنگ روپ اور حسن سے زیادہ خوش نہیں تھا۔ وہ ایک موچی تھا اور اس کا نام غریب تھا۔ لیکن اس کی بیوی سستی کی عادی تھی۔

جب ہر شام کو غریب محنت مشقت کرنے بعد تھکا ماندہ گھر لوٹتا تو وہ اپنی بیوی کو بیکار منہ لٹکائے آسمان کو تکتے دیکھا کرتا۔ اُدھر گھر میں اُس وقت کچھ بھی پکا نہ ہوتا۔ مارے بھوک کے اس کی آنتیں قل ہو اللہ پڑھتیں۔ ایک غریب شخص کے لیے اس سے بڑھ کر آزمائش کی گھڑی اور کیا ہو سکتی تھی جبکہ وہ اپنی بیوی کے تعاون پر اکتفا کیے ہوئے تھا۔

"معاملہ کیا ہے ستارہ!" آخر اُس نے ایک روز پوچھ ہی لیا۔

"اوہ کوئی بات نہیں!" اُس نے مردہ دلی سے کہا۔ "میں یا تو خیالی پلاؤ پکایا کرتی ہوں یا آسمان کے تارے گنتی رہتی ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو آپ بھی

یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔"

ایک دن غریب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا۔ اُس نے اُسے ڈانٹ پلا دی اور ستارہ پر جھنجھلا اٹھا اور بولا۔ "بہت ہو گیا ستارہ مجھے تمھارے خیالی پلاؤ پکانے اور تارے گننے پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن کچھ کر کے بھی تو دکھاؤ۔ آنگن میں مٹر گشت کرنے کے بجائے تم دکان پر بیٹھ کر بھی خیالی پلاؤ پکا سکتی ہو۔ سارا بیجا پور اپنی دکان پر آنے لگے گا اور اس طرح اپنا دھندہ خوب چمک اُٹھے گا۔"

"میں یہ تو نہیں کر سکتی!" اس نے دو ٹوک جواب دیتے ہوئے کہا۔ "میں تو ایک موچی کی بیوی کہلاتے کہلاتے تنگ آ گئی ہوں۔"

"تم مجھ سے آخر کیا اُمید رکھ سکتی ہو؟ جو کچھ ہمارے بزرگ کرتے آئے ہیں وہی دھندہ تو میں کروں گا۔ کیا میں چپل چھوڑ کر جوتے بنانے لگوں۔ اگر مجھ میں چپل بنانے کا ہنر ہے تو چپل ہی بناؤں گا۔ شاعری تو کروں گا نہیں۔"

"نہیں۔ . . . . وہ چلائی۔ بھگوان کے لیے نہیں کوئی اچھا سا کام کرو۔" یہ کہتے کہتے ہی اُس کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی اور وہ رسوئی کی طرف بھاگی۔ اس نے وہاں جا کر آنسو پونچھے اور چند منٹ بعد ہی غریب کے لیے لذیذ اور مزیدار کھانا تیار کر کے لے آئی۔

غریب کو بہت حیرت ہوئی۔ اُس کی زبان کچھ بیان کرنے سے قاصر تھی۔ اُسے کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔ وہ اپنی حسین اور نوجوان بیوی پر سو جان سے مرتا۔

آج اسے اپنی بیوی پر فخر ہو رہا تھا۔ فخر و مسرت کے عالم میں وہ اپنے جامے میں پھولا نہیں سما رہا تھا۔ آج وہ کسی راجہ کی رانی سے بھی زیادہ خوبصورت نازک اور خوش اندام نظر آرہی تھی۔ اُسے آنسو بہاتے دیکھ کر اور اپنی تھالی سے ایک لقمہ بھی اُٹھا کر مُنہ میں نہ ڈالتے دیکھ کر اُس کا دل ٹوٹ گیا آسے ہوا کیا ہے۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔ "تم کچھ لیتی کیوں نہیں ؟"

"نہیں" ستارہ نے جواب دیا۔ "میرا جی چاہتا ہے کہ میں مر جاؤں۔ کھانے پینے کو میرا بالکل جی ہی نہیں۔ اگر آپ کو میرا ذرا بھی خیال ہے تو میرے دل کی بات جان لو۔"

"یہ تو ہماری آپس کی بات ہے!" غریب نے کہا: "نہ تو میں جیوتشی ہوں اور نہ ہی دل کا بھیدی۔"

"تمھارے ساتھ یہی تو مصیبت ہے" اُس نے چڑ کر کہا۔ "اگر آپ کو میرا ذرا بھی خیال ہے تو آپ جیوتشی بن جایئے۔ گھر کے تمام دلدر کٹ جائیں گے۔"

ہمارے اس چپل ساز موچی کے لیے یہ ایک نئی اور چونکا دینے والی بات تھی۔ ستارہ کو یہ بخوبی علم تھا کہ اس کا شوہر آسے بہت چاہتا ہے اس لیے وہ آس کی بات سے انکار نہیں کرے گا۔ اُس نے موقعہ کی نزاکت دیکھی اور جلد سے ایک جیوتشی کے کام آنے والی مختلف چیزیں اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ چند پرانی جنتریاں ایک راشی ایک نکشتر کرمالا، ایک لگن تارہ، چند سکھ۔ سیپیاں۔

ایک رمل۔ کھیلنے کا پانسہ اور آتشیں شیشہ، گلے میں ڈالنے کی مالا۔ پانی بھرنے کے
لیے لوٹا اور کمنڈل۔ اُسے یہ خیال تھا کہ یہ تمام چیزیں اُس کے شوہر کے بہت کام آئیں
گی۔ یہ تمام اشیا اُس نے غریب کو سونپ دیں۔ غریب مارے خوف کے کانپنے
لگا۔ اُس نے دبی زبان سے کہہ دیا کہ مجھے تو جیوتشی ودیا بالکل نہیں آتی۔ اگر تم مجھے
کوئی دستکاری کی چیزیں بیچنے کو کہتیں تو میں کبھی انکار نہیں کرتا۔ لیکن جیوتش
ودیا تو میری رسائی سے باہر ہے۔ تاہم ستارہ اپنی ضد پر اڑی رہی وہ غریب
کو ایک جیوتشی کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی اور کچھ نہیں کیونکہ وہ راج جیوتشی
کی بیوی کو بازار میں دیکھ چکی تھی۔ وہ گہنوں سے لدی تھی۔ لوگ اُس پر نظریں
جمائے تھے۔ اگرچہ وہ ایک سیدھی سادی گھریلو عورت تھی لیکن جوبن روپ
اور جوانی کے اعتبار سے وہ ستارہ کے پاسنگ بھی نہ تھی۔ لیکن اس کے
باوجود کوئی ستارہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ اُس نے اپنے شوہر
سے کہا: ”اگر تم ضد پکڑ لو اور جو کچھ میں کہوں چپ چاپ وہی کرتے رہو تو ہمارے
دن ضرور پھریں گے۔ میں چپل کی دوکان سنبھال لوں گی اور آپ بازار میں
چلے جانا۔ یہ سب چیزیں تو میں نے لا ہی دی ہیں۔ میں نے تمھارے لیے ایک
ٹھیا بھی ڈھونڈ لیا ہے۔“

غریب نے اسے لاکھ سمجھایا۔ لیکن سب بے سود۔ ستارہ رونے لگی اور
اسی وقت مائکے چلے جانے کی دھمکی دینے لگی کہ جب تک آپ میرے کہنے پر

عمل نہیں کرو گے میں لوٹ کر نہیں آؤں گی۔ آخر ستارہ کی ضد کے آگے غریب داس کو جھکنا پڑا۔

اگلے روز جب غریب کو بازار کے چوک کے کنارے ایک ٹھیئے پر بیٹھے دیکھا تو اس کے دوستوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ اپنی جیوتش ودیا کی دوکان سنبھالے رام نام کا پٹکا پہنے بیٹھا تھا اُس کے نزدیک ایک بہت بڑا بورڈ رکھا تھا۔ اس پر بھی حروف میں لکھا تھا۔ "قسمت کا حال پوچھیے۔ ستاروں کی گردش جانیئے۔ جنم پتریاں پڑھوائیے۔"

وہ کہنے لگے۔ "بے چارے کا سر گھوم گیا ہے۔ ورنہ اپنی اچھی خاصی چپل کی دکان چھوڑ کر بھرے بازار میں خود کو رسوا نہ کرتا۔ کوئی بھی شخص راتوں رات جیوتشی بن ہی نہیں سکتا۔ ستاروں کی ودیا سمجھنے کے لیے ساری زندگی لگانی پڑتی ہے۔"

جلدی ہی غریب کے ٹھیئے کے سامنے بہت بڑی بھیڑ جمع ہو گئی اور جتنے مُنہ اُتنی ہی باتیں ہونے لگیں۔ کوئی کہتا۔ "غریب نے کل رات خواب دیکھا۔ خواب میں اُسے سرسوتی کے درشن ہوئے۔ اُس نے ساری جیوتش ودیا اُسے بردان کے طور پر عنایت کر دی"، کسی نے کہا۔ "وہ اُس کا دماغ تو چل گیا ہے اُسے تو کسی پاگل خانے میں بھیج دیا جائے۔ ابھی دیر نہیں ہوئی۔ اس بیماری کا علاج جلد ہو جائے گا۔ ان میں سے کچھ غریب کے طرفدار بھی نکل آئے۔ انھوں نے

اس کی حمایت کرتے ہوئے کہا "آپ سب کا دماغ چل گیا ہے۔ اس کی ٹانگ کھینچنا بند کرو۔ آپ کو کیسے معلوم کہ وہ جیوتش ودیا کا ماہر ہے۔ ہم اسے بخوبی جانتے ہیں وہ تو ایک غریب موچی ہے۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔" اس کے ہمنوا بولے۔ "انھیں خوابوں کی تعبیر پر یقین ہے۔" کہنے لگے آپ سب تو اس سے جلتے ہیں۔ بھگوان کرشن بھی تو گوالے تھے۔ لیکن انھوں نے راکھشسوں کا ناش کیا تھا۔ تم تو کمینے ہو۔ اس سے پہلے کہ تمھیں دھکے دے کر نکالا جائے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

بھیڑ بڑھتی گئی اور لوگوں کی اکساہٹ میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ تبھی حالات نے سنبھالا لیا۔ ہمارے اس نو آموز جیوتشی کا ایک غیر متوقع گاہک کہیں سے آٹپکا۔ اس کی یہ آسامی شاید جوہری لڈو سنگھ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔

لڈو سنگھ بہت پریشان تھا۔ کیونکہ مہاراج کے تاج کا سب سے بیش قیمت ہیرا چوری ہو گیا تھا۔ اس نے بیش قیمت ہیرے کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ مگر سب بے سود چونکہ اس نقصان کو مہاراج سے چھپایا نہیں جا سکتا تھا لہٰذا شاہی جوہری کو بخوبی احساس تھا کہ اس کے ستارے گردش میں آ گئے ہیں۔

راجہ کے تاج کے سب سے قیمتی ہیرے کی گمشدگی یا چوری کی سزا عموماً موت ہی ہوتی ہے۔

لڈو سنگھ کی حالت اُس وقت موت کے منتظر مجرم کی سی تھی۔ اُس
کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس پریشانی کے عالم میں وہ بازار سے گذر رہا تھا تو
کوئی راہ گیر اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ تمھیں معلوم نہیں اُس چپل گانٹھنے
والے غریب داس کو کل سرسوتی کے درشن ہوئے ہیں اس نے جیوتش ودیا
کا دان دے دیا ہے اور آج وہ جیوتشی بن گیا ہے۔ ایک ایک کی قسمت کا
حال بتا رہا ہے وہ تو!

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہوتا ہے۔ لڈو سنگھ نے جونہی لفظ
جیوتشی سنا وہ غریب کا ٹھیا تلاش کرنے لگا اور اس نے ہمارے اس
سابق چپل ساز کو خود ہی اپنے آپ سے متعارف کرا دیا۔ اُس نے غریب کے
آگے اپنی بپتا بیان کر دی۔ اور بولا "آپ اگر صحیح معنی میں جیوتش ودیا جانتے
ہیں تو کھوئے ہوئے ہیرے کو تلاش کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ اپنا جیوتش
کا حساب لگائیے۔ رمل لگائیے یا جیوتش۔ مجھے ہیرے کا پتہ ملنا چاہیے۔ اگر
آپ میرا ہیرا تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں آپ کو سونے کی دو سو
مہریں دے دوں گا اور اگر چھ گھنٹے کے اندر مجھے ہیرا نہ ملا تو کچہری چڑھ جاؤں گا
اور اپنے اثر و رسوخ سے تمھیں دھوکہ دہی کے الزام میں جیل بھجوا دوں گا۔"

ہمارے اس بے چارے غریب داس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اگر
لڈو سنگھ دو چار منٹ کے لیے اپنی فراٹے دار گفتگو سے ذرا دم لیتا تو وہ اپنے

کانوں سے اس غریب داس کی کیفیت اس کی اپنی زبان ہی سے سن لیتا۔ کن حالات میں آسے اس بکھیڑے میں پڑنا پڑا۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ لڈو سنگھ جا چکا تھا۔

غریب اپنی قسمت کو کوسنے لگا۔ یہ اُس کی بدبختی تھی کہ وہ جسے وہ دل و جان سے چاہتا تھا، اُسی نے تریا چرتر دکھلا کر اپنے جال میں پھنسایا اور جیوتشی بنا دیا اور یہی تریا چرتر اُسے جیل بھجوا کر رہے گی۔ اس نے اپنا تمام جھام سنبھالتے ہوئے چلا کر کہا۔ "اوہ عورت! اوہ بے درد عورت۔ کیا تجھے مجھ پر رحم نہیں آیا؟ کیا تو یہ چاہتی ہے کہ تیرا پتی بھیما ندی میں ڈوب کر مر جائے۔ جب کوئی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تو کیا اُس کے جینے کا کوئی دھرم ہے؟"

تبھی ایک پردہ دار خاتون غریب کے قریب آکر پھسپھسائی۔ اس نے اس کی خود کلامی میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ "مہربانی کر کے اتنے زور سے نہ بولیے۔ میں آپ کی زبان بند رکھنے کے لیے سونے کی چار سو مہرے دے دوں گی۔"

غریب اپنے ہی خیال میں مگن تھا۔ اُس نے عورت کی آمد پر توجہ ہی نہ دی تھی۔ وہ کون تھی؟ کیا چاہتی تھی۔ اُس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور تھی۔ یہ راز اُس وقت جلد ہی کھل گیا جب اُس نے اپنے جرم کا خود ہی اقبال کرنا شروع کر دیا۔

اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔" مجھ پر رحم کھاؤ۔ مہربانی کر کے میرے پتی کو یہ پتہ نہ چلے کہ ہیرا میں نے چوری کیا ہے۔" اس سے مجھے ذلّت کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ اب شادی شدہ ہیں۔ آپ کو معلوم ہے عورتیں زیوروں پر جان دیتی ہیں۔ یہ ہیرا اتنا پیارا اور خوبصورت تھا کہ میں خود اُسے حاصل کرنا چاہتی تھی مجھے معلوم تھا کہ ہیرا راجہ کا ہے۔ بہر حال اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ ہیرا قیمتی ہے۔ اسی لیے وہ کڑے پردے میں گھومتی اور اپنے شوہر کے متعلق پتہ لگاتی کہ وہ کیا کرتا ہے۔ جب اُس کے شوہر نے غریب کے بھٹے پر قدم رکھے تو اُسے محسوس ہوا تھا کہ اُس کا کچھ کھو گیا ہے۔ اُس نے آخر میں آکر کہا۔" اسی لیے جب تک وہ اپنی بات ختم کر کے یہاں سے چلا نہ جائے اُس وقت تک آپکا انتظار کرتی رہی۔ اگر آپ یہ بھید اپنے دل ہی میں رکھیں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔"

اب غریب نے ایک حقیقی جیوتشی کا انداز اختیار کر لیا اور وہ سنجیدگی سے بولا" دیوی! مجھے معلوم ہے تم نے یہی نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ کہا ہے۔ بہر حال تمھاری یہ خوش قسمتی ہے کہ تم نے اپنے پاپ کو سویکار کیا اور یہاں ہی چلی آئیں۔ ورنہ جانے کیا ہو جاتا۔ تم پر سنیچر کا گرہ ہے اور یہ ہیرا تم پر بہت بھاری ہے۔ اب تم سیدھی گھر جاؤ اور جا کر اپنے پلنگ کے بستر کے نیچے ہیرا رکھ دو۔ یہی وہ پلنگ ہے جس پر آکر تمھارے پتی ہر روز دوپہر میں آرام کرتے ہیں۔ اس بات کی تسلّی رکھو تمھارا یہ پاپ کسی پر ظاہر نہ ہوگا۔ ہاں وعدے کے مطابق

ایک گھنٹے کے اندر سو سونے کی مہریں لانا قطعی نہ بھولنا۔

یہاں یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ غریب داس نے شاہی جوہری کو بھی یہ بتا دیا تھا کہ گمشدہ ہیرا کہاں ملے گا۔ اُس نے اس سے بھی اپنی دکھشنا دھروالی۔

گھر پہنچنے سے کافی پہلے ہی ایک جوتشی کے طور پر اس کی کامیابی کی خبر اس کی بیوی کو مل گئی تھی۔ اس سے پہلے اسے جوہری کی بیوی سے سونے کی چار سو مہروں کی ایک تھیلی بھی مل گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اُس سے اُسے بہت خوشی ہوئی۔ مگر سورج ڈوبنے کے بعد وہ بھاری من کے ساتھ گھر لوٹا۔ اُس کے دل میں رہ رہ کر یہ خیال آرہا تھا کہ اُس نے اُس پیشے کو کیوں اپنایا جس کا اُس کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔

گھر پہنچتے ہی غریب داس کی بیوی نے خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا۔ اب وہ پہلے جیسی ستارہ نہ تھی کہ مُنہ لٹکائے بیٹھی رہتی بلکہ اب تو اُس کے چہرے کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ تو ایک سگھڑ اور سیانی خانہ دار خاتون ہے کہ جو تھکے ہارے گھر لوٹنے والے اپنے شوہر کا ہمیشہ خندہ پیشانی سے سواگت کرنے کو تیار رہتی ہے۔

غریب نے اسے اپنے قریب بلاتے ہوئے کہا۔ ''ستارہ اس تھیلی میں سونے کی کئی مہریں ہیں۔ سونے کا جڑاؤ سیٹ خریدنے کے لیے یہ رقم کافی ہوگی۔

اس نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔" مجھے امید ہے کہ بھگوان کے لیے اب تم مجھے جوتشی ودتشی کے اس ذلیل دھندے میں دوبارہ دھکیل کر میری زندگی اجیرن نہ کروگی ۔"

"آؤ پہلے کھانا کھاؤ ۔" اس نے کہا۔ اور یہ کہتے ہی اس نے اس کے سامنے ایسے لذیذ پکوان رکھ دیئے کہ جس کا اس نے کبھی نام بھی نہ سنا تھا۔

وہ بازار میں اپنے ساتھ رونما ہونے والے واقعات کا تذکرہ اُس امید اور انداز سے کرنے لگا تاکہ وہ دوبارہ کبھی اُسے جیوتشی بننے پر مجبور نہ کرے۔ اس نے آخر میں کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ گرہ چال کے متعلق میں اتنا بھی نہیں جانتا جتنا تم نے اپنی کتھا پرانوں میں پڑھ رکھا ہے۔ میرے جیسے جاہل کے لیے گرہ دشا اور اس کے علم کی بات خطرے سے خالی نہیں۔ تاہم غریب نے اپنی بیوی کے سامنے جو کچھ بھی بیان کیا اس کا اثر توقع کے عین برعکس ہوا۔ ستارہ نے بڑی گرم جوشی سے کہا۔" میرے پیارے پتی پرمیشور! آپ اپنا دھندہ چھوڑنے کی بات کیسے کر سکتے ہیں۔ شریمان جی! آپ نے یہ کوئی کھوٹا دھندا نہیں کیا ہے۔ آپ کی پہلے دن کی ہی آمدنی عمر بھر چپل گانٹھنے کے دھندے ہی سے پیدا ہونے والی کمائی سے کہیں زیادہ ہے۔ غریب نے احتجاج کیا کہ چپل گانٹھنا ایمانداری کا دھندہ ہے اور جیوتشی کا دھندہ مکر و فریب کا مایا جال ہے۔ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں زیادہ پیسہ کمانے کے لیے چور بن جاؤں ۔"

تاہم اس کی یہ تکرار لاحاصل تھی۔ ستارہ منہ بسورنے لگی اور شکایت کرنے لگی کہ آپ کو مجھ سے قطعی پیار نہیں اس نے دھمکی دی کہ آج رات کو ہی میں مائیکے چلی جاؤں گی۔ سونے کی مہروں کی تھیلی کا مول ایک ہیرے سے کم ہی تھا اور وہ کچھ اچھے اچھے گہنے بنوانا چاہتی تھی اگر وہ اس کی ذرا بھی پروا کرتا تو ستارہ کو گہنوں کا ڈبہ تک مل سکتا تھا۔ آخر اس نے اعلان کر ہی دیا۔ "اچھا آپ مرضی کی مالک ہو۔ آپ کسی بھی راہ چلیں چھوکری کو اپنے گھر رکھ سکتے ہو۔ میں جا رہی ہوں" آخر غریب داس کو جھکنا ہی پڑا۔

اگلے روز غریب کے ٹھیئے کے سامنے پہلے دن سے بھی زیادہ بھیڑ تھی۔ لیکن آج لوگ نہ تو شور مچا رہے تھے اور نہ ہی آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ جب غریب آکر بیٹھ گیا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس کے سامنے آکر آسے جھک جھک کر سلام کرنے لگے۔ وہ دور دور کھڑے اپنی عقیدت کا اظہار کر رہے تھے۔ کیونکہ ہیرے کی چوری کی کہانی دور دور تک جا پہنچی تھی اور یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ پورے بیجاپور میں اُس سے قابل جوتشی کوئی ہے ہی نہیں۔ بازار میں اُسی کا چرچا تھا اور اسی کی شہرت تھی اور گمشدہ ہیرے کی تلاش کی داستان ہر کوئی اپنے ہی انداز سے بیان کر رہا تھا۔

"مجھے ایک حقیقت معلوم ہے۔" ایک کٹھ پتلیاں بیچنے والے نے کہا۔ "غریب نے ایک جنم پتری دیکھی تھی اور پھر نچھتر ملائے اِس پر سنیچر کی دشا تھی۔ گرہوں کی

چال ہی سے اُسے گم شدہ ہیرے کا پتہ چل گیا۔ دراصل ایک مینا نے اُسے جوہری کے باغ میں تلسی کے پودے کے نیچے پھینک دیا تھا۔ اسی دوران اناج کا ایک بیوپاری اپنے آڑھتی سے کہہ رہا تھا: ”غریب کو تو نچھتر مالا دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہی نہیں کیونکہ ستاروں کی چال اُس کی انگلیوں پر ہے۔ ہیرے کی کھوج میں اس کی کڑی سادھنا اور بھگوان کی بھگتی کو دخل ہے۔ یہ بردان اُسے خواب میں ملا تھا۔ دراصل ہیرے کو شاہی جوہری نے خود ہی ایک برتن میں چھپالیا تھا۔

ایک رنگریز کے خیال کے مطابق غریب داس نے لڈو سنگھ کی جنم پتری پر نظر ڈالتے ہی اُسے صاف صاف بتا دیا تھا کہ اگر آئندہ وہ ایسی کسی مصیبت سے بچنا چاہتا ہے تو پورن ماشی کی رات کو پیاز نہ کھائے۔ اس طرح سبھی اپنی اپنی ہانک دے رہے تھے کہ بیجاپور کے امیر ترین جین تاجر کی بیوی اپنی پالکی میں بازار سے گذری۔ ”غریب کون ہے؟“ اس نے اپنی نوکرانی سے پوچھا۔ ”پتہ لگاؤ کہ وہ بازار میں کھڑے اُس کے متعلق کیوں باتیں کر رہے ہیں۔“

اُس نے تھوڑی دیر بعد ہی آکر گمشدہ ہیرے کی تلاش کے متعلق ہونے والی بات چیت کی اطلاع دی۔ اُس کے علاوہ چند ایسے ایک سو معجزوں کا ذکر بھی کر دیا کہ جن کے متعلق یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہمارے غریب داس نے انجام ہی نہیں دیئے تھے۔

یہ سن کر وہ خاتون فوراً اپنی پالکی سے اُتری۔ اپنی نوکرانی اور کہاروں

کو ایک طرف ہٹا کر فوراً ہمارے اس جوتشی غریب داس کے ٹھیئے پر آپہنچی۔

جب وہ غریب داس سے بات چیت کر رہی تھی تو اُس نے گھونگھٹ نکال رکھا تھا۔ اُس نے آسے باباجی اور بدقسمتوں کے محافظ کہہ کر پکارا اور امداد کی طالب ہوئی۔ اس نے کہا کہ میرے پتی شکی مزاج ہیں۔ وہ سب سے جلتے ہیں۔ اُنھوں نے کل شام مجھے زمرد کا ہار دیا تھا۔ اگر انھوں نے میرے گلے میں ہار نہ دیکھا تو میری جان اجیرن ہو جائے گی۔"

اس حسین عورت پر نظر ڈالے بغیر غریب نے بڑبڑا کر کہا۔ "فریبی! وہ نظریں جھکائے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ "میں کوئی جوتشی ووتشی نہیں ہوں۔ میں تو فریبی ہوں۔ دغا باز ہوں۔"

"فریبی لفظ سن کر حسین خاتون کی آنکھوں میں آنسو بہہ آئے۔ اُس نے فوراً ہی اپنے جرم کا اقبال کر لیا اور کہنے لگی۔ "مہاراج! میں کبھی اچھی عورت ثابت نہیں ہوئی۔ مجھے دغا باز اور فریبی کہنا ہی اچھا ہے۔" مگر کرتی بھی کیا۔ میں نے وہ ہار کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کو نہیں تھمایا اور نہ ہی کسی کو دیا ہے۔ ایک گھنٹہ پہلے ہی جب میں بھیما ندی میں نہانے لگی تو یہ میرے گلے میں تھا مگر اب نہیں ہے۔ اگر اس انمول ہار کے بغیر گھر گئی تو میرے پتی کو شک ہو جائے گا کہ میں نے وہ اپنے کسی یار کو تھما دیا ہے۔

غریب داس اس کی صاف گوئی سے بے حد متاثر ہوا۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ آخر کار اُس نے رحم بھری نگاہوں سے دیکھا اور فوراً یہ چلاتے ہوئے اچھل

پڑا۔" دیوی اپنے پھٹے کو سنبھال۔" دراصل اُس نے دیکھا کہ اگرچہ اُس جین خاتون نے لمبا گھونگھٹ نکال رکھا تھا۔ لیکن بھیڑ کی دھکا پیل میں اُس کا پیٹی کوٹ پھٹ گیا تھا۔ اسی باعث اس کی ٹانگوں کا اوپری حصہ صاف نظر آرہا تھا۔ اگر اُس کا شوہر وہاں ہوتا تو ضرور کسی نہ کسی کا قتل ہو گیا ہوتا اور اُس نے اپنے آپ سے کہا۔" اگر ستارہ کو پتہ چل جاتا ہے کہ ایسی ایسی عورتیں میرے پھٹے پر آتی ہیں تو میری جان کی خیر نہ ہو گی۔ اس نے جلدی سے اپنا پٹکا اُتارا اور اُس عورت کو تھماتے ہوئے کہا۔" بھگوان کے لیے پھٹے کو سنبھالو۔ جلدی کرو۔" ان الفاظ نے اس عورت پر جادو کا اثر کیا اور اُس پالکی میں بیٹھ کر وہ اپنے گھر فوراً روانہ ہو گئی۔

اُس کے وہاں سے چلے جانے پر غریب داس نے سکھ کا سانس لیا لیکن سکون کا یہ احساس زیادہ دیر تک برقرار نہ رہا۔ وہ مارے خوف کے کانپ اُٹھا۔ اپنے پٹکے کے متعلق وہ ستارہ سے کیا بہانہ بنائے گا۔ کیا وہ سمجھ جائے گی کہ میں نے ایک عورت کو بھرے بازار میں رسوا ہونے سے بچانے کے لیے اتنی بڑی قربانی دی ہے۔ یہ وہ نہیں سمجھے گی۔ ستارہ کے باعث ہی پہلے چپل گانٹھنے کا حق حلال کا پیشہ چھوڑ کر بھرے بازار میں رسوا اور ذلیل ہونا پڑا۔ اور اُس کی محبت کے باعث میں نے اس سے چھوٹے پیروں کی چپل بنانی بند کر دی۔ وہ یقینی طور پر لوگوں کو تماشا دکھائے گی اور اُس جین عورت کے گھر جا کر حالات

اور زیادہ خراب کر دے گی۔

اور جب اُس کے شکی مزاج پتی کو معلوم ہوگا تو؟"

ایسے کئی خیالات اُس کے ذہن میں آئے اور اُس کی کپکپاہٹ بڑھنے لگی۔ اگر اُس جین تاجر نے مجھ پر الزام لگا دیا کہ اس کی بیوی کے کپڑے میں نے پھاڑے ہیں تو کیا ہوگا؟" اُس نے سوچا اور ایسے کئی خیالات اُس کے ذہن میں کوندے کی طرح لپکے۔ اُس کے سر میں شدید درد اُٹھنے لگا۔ اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

تھوڑی دیر بعد جب اُس نے آنکھ کھولی تو کیا دیکھا کہ وہی جین خاتون اپنے شوہر کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ پہلے اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے آنکھیں ملنے کی کوشش کی کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ جب وہ اُنھیں گھور رہا تھا تو جین تاجر نے اپنی بیوی کو ٹہوکا دیا۔ اس کے بعد اُس جین خاتون نے موتیوں سے بھرا کٹورا غریب کے سامنے رکھ دیا اور اُس کے ساتھ وہ پٹکا بھی دے دیا جسے وہ ایک گھنٹے پہلے لے کر گئی تھی۔

جین تاجر نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔" مہاراج "، اس کی بیوی کے ہاتھ میں موتیوں سے بھرا کٹورا اُٹھا آسے اپنے ہاتھ میں سونے کی مہروں سے بھری ایک تھیلی تھما رکھی ہے۔ اُس نے مزید کہا میں نے اپنی زندگی میں بہت سے پنڈت دیکھے ہیں لیکن آپ اُن سب میں بڑھ کر ہیں اور لوگ تو کچھ بتانے سے پہلے ہی

اپنی دکشنا دھرا لیتے ہیں۔ لیکن آپ نے تو کچھ مانگے بغیر ہی سب کچھ بتا دیا۔ ہم یہ ایک تچھ سی بھینٹ آپ کی سیوا میں پیش کرتے ہیں۔ ہم آپ کے تہ دل سے شکر گزار ہیں۔"

"میں نے جو کچھ کیا۔ وہ سب کچھ پانے کے لیے نہیں تھا۔" غریب داس بھونچکا سا آنکھیں دیکھے جا رہا تھا۔

"مہاراج۔" جین خاتون نے کہا۔ آپ یہ بھینٹ قبول کرنے سے انکار نہ کیجیے۔ اگر آپ نے انکار کر دیا تو یہ ہماری بدقسمتی ہو گی۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا۔ "دیوی اپنا پھٹا سنبھالو۔ مہاراج جو کچھ آپ نے فرمایا۔ میں نے وہی کیا۔ ندی میں نہانے کے لیے جانے سے پہلے میں اپنا جڑاؤ ہار درخت کے تنے کی کھو میں چھوڑ آئی تھی۔ جب آپ نے کہا پھٹا سنبھالو۔ اسی وقت مجھے یاد آگیا کہ میں نے ہار کہاں رکھا تھا۔"

جین تاجر نے کہا۔ "مہاراج، یہ دکشنا تو آپ کا حق ہے۔ آپ نے ہم سے کچھ نہیں مانگا۔ میں اپنی مرضی سے ہی پیش کر رہا ہوں۔"

غریب کو تبھی احساس ہو گیا کہ آج اس کی قسمت واقعی چمکی ہوئی ہے۔ اس کی پست ہمتی ہوا ہو چکی تھی۔ اس نے ایک پہنچے ہوئے پنڈت کی طرح بے دھڑک کہنا شروع کر دیا۔ "میں ایسے شخص کی کوئی بھینٹ قبول نہیں کرتا جو اپنی پتنی پر ناحق شک کرتا رہے۔ اس سے جلتا رہے اور اس کی قسمت کو یہ کہہ کر

کوستارہے کہ اُس سے تو میرے بھاگ ہی پھوٹ گئے ہیں۔"

اس بات سے جینی تاجر کے دل پر بجلی سی گر گئی۔ اُسے یہ احساس ہو گیا کہ یہ جوتشی تو دل کی ہر بات بتا سکتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ اس پر کوئی گرہ دشا آئی ہے۔ آخر کچھ دیا ہے اُس کے پاس تبھی تو بتا دیتا ہے۔ غریب کے پاس تو گرہ دشا کو ٹالنے کا اپائے ہو گا ہمارے بھی دن پھر سکتے ہیں۔ گرہ دشا ٹل سکتی ہے۔ دوسرے ہی لمحہ وہ غریب داس کے پاؤں پر گر پڑا اور گڑگڑاتے ہوئے کہا "مہاراج کرپا کیجیے۔ یہ معمولی سی تچھ بھینٹ قبول کر لیجیے۔ دس ہنوں کی قیمت کے برابر یہ تچھ بھینٹ حاضر ہے۔ اسے قبول کر لیجیے اور مجھے بچا لیجیے۔" گرہ دشا ٹالنے کے لیے غریب نے اپنی دکشنا بڑھا دی اور جین تاجر نے اس کی ہر بات بخوشی قبول کر لی۔ "ٹھیک ہے۔" آخر غریب نے جین تاجر کی طرف فوراً ہی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ آپ کی دشا ٹالنے کے اپائے کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ اپنی پتنی سے مناسب سلوک کیا کریں۔ آپ اپنی پتنی کے پتی ورتا دھرم پر شک نہ کریں۔ تبھی میرا آشیرواد آپ کے ساتھ ہوگا۔"

اُس کے جانے کے بعد وہ بازار سے چلا گیا۔ اُسے زر کثیر ہاتھ لگا تھا۔ اسی لیے وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ اُس کا چہرہ مارے خوشی کے تمتما رہا تھا۔ اگرچہ آج کی کمائی کل سے بھی زیادہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس نے جوتشی کے دھندے کو چھوڑنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔

اُس جین مرد اور عورت نے اُسے جو دکشنا ملی تھی۔ اُس نے اُسے

ستارہ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے پختگی کے ساتھ کہا۔میں نے اس دھندے سے بہت کما لیا ہے۔اب بس!"

"میں نے کہا جی!"ستارہ اس انداز سے بڑبڑا رہی تھی گویا خود ہی اپنے آپ سے گفتگو کر رہی ہو۔"آپ تھکے ہارے آئے ہیں۔آپ بہت محنت کرتے ہیں۔ آپ کے نہانے کا انتظام کر دیا ہے۔پانی بھی ڈال دیا ہے۔عطر اشنان کر لیجئے' تھکاوٹ دور ہو جائے گی۔بس کھانا بھی تیار رہے۔میں بھی کتنی بے وقوف ہوں کہ آپ کو سارا دن گھوڑے کی طرح جوتے رکھتی ہوں۔بھگوان مجھے کہاں بخشیں گے۔نرک میں جاؤں گا نرک میں۔"

اس رات ستارہ بھیگی بلی بنی رہی۔اگلے روز صبح اُٹھتے ہی اُس کا وہی اس کا معمول ہو گیا۔البتہ اس بار جب اس نے کام پر جانے سے انکار کیا تو وہ روئی نہ چلائی' بلکہ صرف یہی کہا۔"ٹھیک ہے! آپ گھر سنبھالو یا چپل کی دوکان جو دل چاہے کرو۔میں آپ کی جگہ ٹھیئے پر جاتی ہوں۔آپ کے کپڑے لتے میں پہن لوں گی۔"اس نے مطالبہ کیا۔"آپ مجھے اپنی پگڑی دے دو۔"

"کیا!"غریب نے تعجب کے ساتھ کہا۔"تم پاگل ہو گئی ہو ستارہ۔"

"آپ سے بڑھ کر پاگل نہیں ہوں میں۔"اس نے ماتھا ٹھونکتے ہوئے کہا۔"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میرے جیسی عورت کے لیے مٹھی بھر موتی اور کچھ ہیرے پنے کافی ہیں؟"آپ بھول رہے ہیں۔میں اب آپ کی نظروں سے گر گئی ہوں۔

لیکن میں راج جوتشی کی پتنی کی طرح بدصورت تو نہیں ہوں۔"

"اگر تم بازار میں مردانہ بھیس میں گئیں تو ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔" غریب نے احتجاج کیا۔ "کیا تمہارے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں۔"

"اپنی بچاری پتنی کے لیے آپ کے دل میں کتنی جگہ ہے۔ اگر آپ کو مجھ سے ذرا بھی پیار ہے تو بازار جاؤ۔ اپنے ٹھیے پر بیٹھو اور جوتش ودیا کا چمتکار دکھاؤ۔" ستارہ نے جواب دیا اور یہ کہتے ہی وہ پھوٹ پڑی اور سسکیاں لے کر رونے لگی اور بے چارہ غریب داس اُس سے مزید تکرار کیے بغیر اپنے ٹھیے پر لوٹ آیا۔

اُسے یہ علم نہ تھا کہ اُس کے جانے کے بعد راج جوتشی نے اُسے اپنے گھر بلایا تھا۔ اس کا انتظام خود ستارہ نے کیا تھا۔

اتفاقاً حالات نے اس تیزی سے پلٹا کھایا کہ ستارہ راج جوتشی کی بیوی کے ساتھ مصالحت کرنے کی حالت میں آ چکی تھی۔ دراصل ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے شاہی خزانے پر ہاتھ مارا تھا اور شاہی جواہرات کی چالیس 40 پیٹیاں غائب کر دی تھیں۔ سپاہی تحقیق اور تفتیش کی انتھک کوشش کر چکے تھے لیکن وہ ناکام رہے۔ وزیر مال کو جب گمشدہ جواہرات سے متعلق غریب داس کی حالیہ کامیابیوں کا علم ہوا تو اُس نے راج جوتشی سے امداد کی درخواست کی۔ راج جوتشی کی ودیا بھی دھری کی دھری رہ گئی۔ راجہ کے کانوں میں

یہ خبر پہنچی تو اس کا پارہ فوراً گرم ہوگیا۔ راج جوتشی اب اس کے شکنجے میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ ستارہ کو یہ سب علم ہوچکا تھا۔ اگرچہ اس کا بھولا بھالا اور سیدھا سادہ شوہر حالات سے واقف نہ تھا۔ اس نے نتھی پہل کی اور راج جوتشی کے پاس پیغام بھجوادیا کہ اس نازک موقع پر غریب کچھ کام آسکتا ہے۔ وہیں بازار سے غریب کو راج جوتشی کی حویلی میں طلب کیا گیا۔ راج جوتشی کی حویلی کا ڈنکا سارے بیجاپور میں بجتا تھا۔ بڑے بڑے امیر وزیر اور اہلکار اس کے یہاں حاضری دیتے تھے۔

راج جوتشی نے نہایت منکسرانہ انداز میں کہا۔ "غریب بھائی۔ آپ نے اس داس کی کٹیا کو نوازا۔ میری یہ خوش قسمتی ہے۔ آپ جانتے بھی نہیں ۔ یہ تو وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ کہئے بھگوان کی لیلا کس نے دیکھی ہے۔ اس کی لیلا نیاری ہے۔ کبھی وہ اونچے سے اونچے شخص کو پل بھر میں خاک میں ملا سکتا ہے اور معمولی سے معمولی آدمی کو آسمان پر پہنچا سکتا ہے۔ سارا سنسار بھاگیہ چکر کی دھری پر ناچ رہا ہے۔" وہ کچھ دیر ایسی چکنی چپڑی اور لچھے دار باتیں کرتا رہا۔ آخر اس نے اعلان کر ہی دیا۔ "میں ، آپ کا نائب ہوں۔ مہاراج کا حکم ہے کہ اگر چالیس دن کے اندر ساتھ شاہی خزانے سے اٹھائی جانے والی چالیس پیٹیوں کا

عہدہ آپ کے قدم چومے گا۔ ہاں چور اپنا اتا پتا اور

گئے۔" غریب گھبرا گیا۔ آسے جوتش ودیا کا کچھ بھی

نا بیکار گئے۔

راج جوتشی نے کہا۔ "ایسی خبر ہے کہ چوروں نے چوری کرنے سے پہلے آپ سے صلاح مشورہ کیا تھا۔ یہ بات جھوٹ ہے یا سچ، میں نہیں جانتا۔ لیکن ہم سب کی مدد کرنا آپ کا فرض ہے۔ داروغہ آپ کو پوچھ تاچھ کے لیے گرفتار کرے گا۔ خیال رہے۔" اس نے آہستہ سے کان میں کہا۔ "ہمارا داروغہ قصائی ہے قصائی تفتیش کے معاملے میں یہ کسی کو نہیں بخشتا۔ مار مار کر کھال ادھیڑ دیتا ہے۔ آپ کی بھلائی اس میں ہے مہاراج بتائے دیتا ہوں کہ چالیس دن کے اندر اندر چوری کی گئیں تجوریاں مہاراج حضور کی خدمت میں پیش کرتی ہوں گی۔ اب گھر جاؤ اور اپنے جوتش کا چمتکار دکھاؤ۔"

گھر جا کر غریب نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور ایک تھیلے میں چند ضروری چیزیں ڈالیں وہ بیجاپور سے گولکنڈہ بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اس نے وہاں جا کر دوکان کھولنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"کیا ہوا۔" ستارہ نے پوچھا۔

"مجھ پر یقین کرو یا نہ کرو۔" غریب نے جواب دیا۔ "میں تو داروغہ کے چنگل میں بری طرح پھنس گیا ہوں۔ جونہی اندھیرا ہوگا۔ میں بیجاپور چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ اس دوران تم چپکے سے مائیکے چلی جانا اور وہاں گولکنڈہ سے میرے خط کا انتظار کرنا۔" پھر اس نے ساری رام کہانی سنا دی اور کہا۔ "مجھ پر یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے۔" یہ اس کے لیے کوئی خبر نہ تھی۔ وہ اس کا مذاق اڑانے لگی

"کیا تم پاگل ہو گئی ہو۔" غریب نے چلا کر کہا۔ "کیا یہ دانت نکالنے کا وقت ہے۔ اگر میں یہاں رہتا ہوں تو آج سے چالیسویں دن مجھے پھانسی کے تختے پر چڑھنا ہو گا یہ سوچ لو۔"

"میرے بھولے بھالے پتی دیو۔" ستارہ نے کہا۔ "آپ ہر وقت بھاگ جانے کی بات کیوں کرتے ہیں۔ چوروں اور تجوریوں کا پتہ لگا لو اور ہمیشہ کے لیے بیجاپور کے راج جوتشی بن جاؤ۔"

"کہنا جتنا آسان ہے۔ کرنا اتنا ہی۔ میں چوروں اور تجوریوں کا پتہ کیسے لگاؤں۔ کچھ عقل کی بات کرو۔"

"جو ہتھکنڈے پنّے کے ہار اور ہیرے کی تلاش کے لیے اپنائے تھے وہی اپناؤ۔"

غریب یہ بات سن کر اپنے سر کے بال نوچنے کو تیار ہو گیا۔ ستارہ یہ سوچنے لگی کہ کیا جوتش ودیا سے ہی گمشدہ چیزیں مل جاتی ہیں۔ جب اس نے کہا کہ وہ تو محض اتفاق تھا کہ پنّے کا ہار اور ہیرے مل گئے۔ اس میں ستاروں کی گردش کو کوئی دخل نہ تھا تو وہ مسکرا دی۔

جب ستارہ نے یہ سنا کہ غریب گول کنڈہ بھاگ جانے کا منصوبہ باندھ رہا ہے تو وہ بے اختیار رونے لگی۔ اس بار اس کے آنسو غریب کو اس کے ارادے سے باز نہ رکھ سکے۔

"تم تو بے وقوف ہو۔" غریب نے کہا۔"میں ضرور جاؤں گا۔ کیونکہ اسی میں بھلائی ہے۔"سنو۔" ستارہ پھٹ پڑی۔" میں تو اس دن کا انتظار کر رہی ہوں جب آپ راج جوتشی بن جائیں گے۔ میں اب ہلکا نہیں پڑنا چاہتی۔ بھگوان نے چاہا تو نچھتروں کی گرہ چال اور رمل ڈال کر آپ چوروں کا پتہ ضرور لگا لیں گے۔" اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔" جہاں تک آپ کے بھاگ جانے کا تعلق ہے میں دیکھوں گی آپ کیسے بھاگتے ہیں۔ میں چوکی میں جا کر پولیس کو آپ کی ساری چال بتا دوں گی۔"

یہ سن کر غریب پر گونگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

ستارہ نے مزید کہا۔" میری شکل وصورت اور روپ جوانی سے آپ کو کوئی سروکار نہیں۔ اگر میں چیتھڑے پہنتی ہوں یا بنتی سنورتی ہوں تو صرف آپ کے لیے۔ میں جیوں یا مروں اس سے آپ کو کوئی سروکار نہیں۔ آپ کو تو اپنی پڑی رہتی ہے۔ اب میں ایک بات صاف صاف کہہ دیتی ہوں کہ اگلے چالیس روز تک میں آپ کو گھر سے باہر قدم تک رکھنے نہیں دوں گی۔"

ستارہ کو داروغہ کے پاس جانے سے روکنے کے لیے غریب اسی طرح کام کرنے پر رضامند ہو گیا جیسا کہ اسے بتایا جا چکا تھا۔ اس نے خود کو قسمت کے سہارے چھوڑ دیا اور بھگوان سے چپکے چپکے دعا مانگنے لگا کہ ہے بھگوان میرے اگلے چالیس دن سکھ چین سے گزار دے۔ اگرچہ میں معصوم اور بے قصور

ہوں۔ لیکن پھر بھی مجھ پر شاہی خزانے کی چوری کے سلسلے میں چوروں کی مدد کرنے
کا الزام دھرا جارہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ چالیس روز کی مدت ختم ہونے کے بعد
مجھے پھانسی پر لٹکادیا جائے گا۔ بھگوان اس امتحان میں میری مدد کر۔" پھر اس نے
ستارہ سے کہا: "میں نچھتر دیکھ کر تھتیاں نہیں نکال سکتا۔"

"کیا کام ہے اس نے پوچھا۔"

"میرے لیے چالیس تھتیاں نکال دو۔ اور ہر روز کی کیفیت معلوم ہو جائے
گی اور ایک برتن میں چالیس پتھر ڈال دو۔ ہر روز شام کو پتھر گن کر مجھے اندازہ ہو
جائے گا کہ میرے کتنے دن باقی ہیں"۔ غریب نے ستارہ سے کہا۔ "میں آپ کا یہ
کام کروادوں گی۔" اس نے کہا۔ "لیکن یہ بات پھر بتاؤں گی۔ اگر آپ یہاں سے
بھاگ جائیں گے تو میں آپ کی جگہ پھانسی پر چڑھ جاؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ گھر سے نکل گئی اور پیچھے سے دروازے کو تالا لگا دیا اگرچہ اُسے
معلوم تھا کہ اس کی غیر حاضری میں غریب داس کے نکل بھاگنے کے بہت کم امکانات
ہیں۔ "چالیس" ستارہ نے گھر سے نکلتے وقت اپنے آپ سے کہا۔ "چالیس اس
سے زیادہ نہیں۔" "ستارہ" پڑوسن نے کہا۔ "ستارہ! ایک خوش خبری سن۔ تمھارے
پتی اب بیجاپور کے راج جوتشی بننے والے ہیں۔"

"چالیس۔ اس سے زیادہ نہیں۔" ستارہ بڑبڑائی اور پھر پڑوسن کی
طرف مڑکر بولی: "بہن جی۔ جب میں جاؤں تو مجھے یاد دلادینا۔ اس سے ایک کم نہ

ایک زیادہ۔"میں تو کم بخت بھول ہی جاتی ہوں۔"

"چالیس چور۔ اچھا۔ تمھارے انھوں نے بھوشیہ بانی شروع کر دی ہے۔"

"چالیس! نہ ایک کم نہ ایک زیادہ، کتنی حیرت کی بات ہے۔"

"اب۔" ستارہ نے کہا۔"چاہے چالیس چور ہوں یا چالیس سادھو۔ میرے لیے سب برابر ہیں۔ مجھے تو چالیس ہی یاد رکھنا ہے بہن۔" تمھاری یاد تو بہت تیز ہے۔ میں تو بالکل بیکار بیٹھی ہوں۔"

پڑوسن نے یہ مان بھی لیا کہ وہ ستارہ سے کسی بھی صورت بہتر نہیں۔ صحیح ہندسے تو آسے ہی یاد رہ سکتے ہیں۔ یہ تو مردوں کا کام ہے۔

پھر اس نے گلی سے گذرتے ہوئے سارنگی بجانے والے بھکاری کو آواز دی۔"بھیا۔ اگر تم مجھے چالیس یاد دلادو تو میں تمھیں اُدھنی دوں گی۔ ہم دونوں بہنیں باتیں کر رہی ہیں۔ بات چیت ختم ہوتے ہی یاد دلا دینا۔"چالیس" تھیں نہ ایک کم نہ ایک زیادہ!

"چالیس کا لفظ سنتے ہی وہ سارنگی نواز بھکاری وہاں سے نو دو گیارہ ہوگیا۔ کیونکہ چالیس کا جادو اپنا اثر کر چکا تھا۔ اسے یہ خطرہ ہوگیا تھا۔ داروغہ کی پوچھ تاچھ سے گرفتاری کا خطرہ بھی ہوسکتا ہے۔ جب ان دونوں سہیلیوں نے اُس سادھو کو بھاگتے دیکھا تو وہ کہنے لگیں۔"کیسا بے وقوف ہے۔"

وہ تو گپیں لڑا رہی تھیں اور ساتھ ہی انھیں ڈر تھا کہ کہیں وہ چالیس کا ہندسہ ہی بھول نہ جائیں۔ اس طرح وہ غریب کے گھر کے سامنے کھڑی ہوکر

زور زور سے چلا رہی تھیں۔" چالیس۔ نہ ایک کم، نہ ایک زیادہ۔"

انھیں اس حالت میں باتیں کرتے دیکھ کر ہر کوئی انھیں پاگل سمجھنے لگا۔ سارنگی نواز سادھو دراصل شاہی خزانہ لوٹنے والے چوروں کے گروہ کا جاسوس تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس بھاگا بھاگا گیا۔ کہنے لگا۔" سردار ہم لٹ گئے۔" غریب نے رمل نکالنے شروع کر دیے اور یہ پتہ لگا لیا ہے کہ ہم چالیس ہیں۔"

" بے وقوف" گروہ کے سردار نے کہا۔" کسی ڈرپوک کی کھوپڑی بھی اسی طرح بھنا جاتی ہے۔ کسی کو غریب کے گھر بھیجا جائے وہاں جا کر معلوم کرے کہ کوئی چال ہے۔ ہاں میں یہ بتا دوں کہ میں نے اس سے پہلے کئی جوتشیوں کے گھروں میں ڈاکے ڈالے ہیں اور کسی کو میرا اتا پتہ تک معلوم نہیں ہوا اور نہ ہی چوری کے مال کا پتہ چلا۔ اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کچھ دیر کے لیے چھپ جانا ہو گا۔ اب احتیاط رکھنا بہت ضروری ہے۔"

وہ یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ گروہ کا دوسرا جاسوس بھی اس وقت آ گیا اور اس نے خبر دی۔" ہمارا اتا پتہ معلوم ہو گیا ہے۔" غریب کی جورو اپنی پڑوسنوں سے کہہ رہی تھی کہ ہم پورے چالیس ہیں۔ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔ بھگوان قسم! غریب کی جوتش ودیا بالکل صحیح ہے۔"

" اس جوتش ودیا کی کیا بات ہے!" سردار نے کہا۔" بس تکا لگا لیا کہ ہم چالیس ہیں۔ چالیس تجوریاں جو گم ہیں۔ ہر تجوری کے لیے ایک ایک آدمی۔ غریب بھا

واقعی ایک چیز ہے۔ بس یہی بات ہے نا اس پر نظر رکھنا مناسب ہوگا۔"

چند چوروں نے پوچھا۔" کیوں نہ بیجاپور کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا جائے۔"

"اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" دوسرے جاسوسوں نے اعلان کیا۔" غریب غریب کی جورو نے داروغہ سے بات کی ہے اور تمام راستوں کی ناکہ بندی کرادی گئی ہے۔ تبھی سردار نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا۔" اندھیرا ہوتے ہی غریب کے گھر جاؤ اور اس کی جورو جو کچھ کہے اُسے غور سے سنو۔ اُس سے ہمیں سارا اتا پتہ چل جائے گا۔"

ستارہ نے جب پولیس کی مدد حاصل کرنے کی بات کی تھی تو اس کے غریب شوہر کی مارے ڈر کے گھگی بندھ گئی تھی۔ وہ چپ شاہ کو روزہ رکھ بیٹھا۔ اُدھر اندھیرا ہوتے ہی چوروں کا ساتھی جب غریب داس کے گھر ان کی بات چیت سننے لگا کافی دیر تک تو اسے کچھ بھی سنائی نہیں دیا۔ اس کے کانوں میں محض شام کے وقت کی جانے والی پرارتھنا کی آواز آتی رہی۔

اس کی پرارتھنا ختم ہوگئی۔ اُدھر غریب کو اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ آج پہلا دن تھا اس کی جورو نے اس کے ہاتھ میں پہلی تیتی پکڑادی۔ اس نے کہا "آہ ستارہ! آج پہلا آگیا۔ حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ یہ چالیس میں سے پہلا ہی ہے۔" اس کا مطلب دن سے تھا۔

اس پر ستارہ نے چٹکی لی۔ تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں کوٹھے کو چڑھ کر

ڈھنڈورا پیٹتی پھروں۔ ہاں مجھے معلوم ہے کہ چالیس میں سے ایک آیا ہے۔ آخر انتالیس باقی ہیں۔"

یہ الفاظ سنتے ہی چوروں کا جاسوس بھاگ کھڑا ہوا اور اس نے ساتھیوں کو یوں بتایا۔" غریب بہت خطرناک آدمی ہے۔ جونہی اس نے پوجا پاٹھ سے فارغ ہو کر مجھے دیکھ لیا تو اپنی بیوی سے کہا۔" یہ چالیس میں سے پہلا آگیا ہے۔ ہم سب مارے گئے سردار"

سردار نے اس شخص کو یہ کہہ کر ٹھنڈا کیا۔" ہم اول جلول باتیں کر کے خواہ مخواہ ڈر جاتے ہیں۔ بہر حال آپ میں سے دو شخص کل شام جا کر غریب کی باتیں سنیں گے کہ وہ کیا کہتا ہے۔"

اگلے روز شام کو غریب نے معمول کے مطابق پاٹھ کیا۔ ان دونوں جاسوسوں نے سوچا کہ وہ کوئی جادو کر رہا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا۔" ستارہ۔ آج دو بج گئے۔ ہاں ہاں۔ ایک اور ایک مل کر دو تو ہو گئے۔"

ستارہ نے جواب دیا۔" آپ تو حساب کتاب میں بھی تیز ہیں۔ سارے دن کے منتر جاپنے کے بعد آخر اُپائے ڈھونڈ ہی لیا۔ ابھی تو اڑتیس اور باقی ہیں۔" یہ سن کر دونوں جاسوس وہاں سے دم دبا کر بھاگ گئے۔ انھوں نے جو کچھ سنا اپنے سردار کو جا بتایا۔ اس کے بعد تیسری رات کو تین اور چوتھی رات کو چار چور ہو گئے یہ سلسلہ 39 دن تک چلتا رہا اور چالیسویں رات کو تمام چوروں نے غریب کے گھر کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ ادھر غریب کا کلیجہ مُنہ کو آرہا تھا وہ چلّانے لگا۔" اب چالیس پورے ہو گئے۔

موت سامنے کھڑی ہے۔ ستارہ مجھے بتاؤ۔ کوتوال نے پھندا تیار کیا ہے یا کلہاڑی؟"

ستارہ اکتا کر بولی کلہاڑی ہو یا پھندا۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ مرنا تو ہے ہی ۔ بات ایک ہی ہے۔"

اس پر ہر ایک چور مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگا۔ سب چپکے سے وہاں سے بھاگ گئے اور ایک خفیہ مقام پر جا بیٹھے۔ انھوں نے اپنے سردار سے یوں کہا۔ "غریب داس دوسرے جوتشیوں کی طرح تو تھا نہیں جو اپنی دکشنا کچھ بتانے سے پہلے ہی دھر لیتے ہیں۔ عام جوتشیوں سے تو اس کا مقابلہ کیا نہیں جا سکتا۔"

پھر انھوں نے یہ یک آواز چلا کر کہا۔ "ہم نے پہلے ہی اسے کیوں نہ بتا دیا۔ یہ پہلی حماقت ہوئی۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اس نے جوتش کا دھندا اس لیے اپنایا کہ اس کی جورو گہنے اور زیور چاہتی ہے۔ اس نے ایک تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں اس سے دوستی گانٹھنی چاہیے۔ اور اپنے مالِ غنیمت میں سے کچھ حصہ اُسے دینا چاہیے۔ ڈاکوؤں کا سردار اس پر فوراً رضامند ہو گیا۔

اس کے بعد وہ تمام ہیرے جواہرات کا بھاری بھر کم تھیلے لیے غریب کے گھر آ گئے اور آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

چپل گانٹھنے والا بے چارہ غریب داس سمجھا کہ پولیس اُسے پکڑنے آ گئی ہے۔ اس نے چلا کر کہا۔ "صبر کرو بھائی، میں جانتا ہوں آپ کس لیے آئے ہیں۔ لیکن دھندا گندہ ہے۔ یہ پھل پھول نہیں سکتا۔ ستارہ نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔ "بھگوان

کے لیے چلا کر پڑوسیوں کو تو نہ جگاؤ۔ مجھے رات کو سونے تو دیا کرو۔ تمہاری بڑبڑاہٹ اور منتروں کے جاپ سے دن بھر کہاں آرام ملتا ہے۔ اب جاؤ ان لوگوں کے ساتھ، پکڑنے آئے ہیں۔"

اسے داروغہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ اگر پولیس غریب کو پکڑ کر لے بھی گئی تو کوئی بھی اس کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ البتہ غریب کو ستارہ کے انداز گفتگو سے بہت دکھ ہوا۔ لیکن ستارہ کی گفتگو کا چوروں کے سردار کے دل پر گہرا اثر پڑا اور جب غریب نے دروازہ کھولا تو سردار نے آہستہ سے کہا۔ "دھنیہ ہو مہاراج آپ جیسا مہان پنڈت، مہان جوتشی نہ دیکھا نہ سنا۔ جب ہمیں یہ پتا چلا کہ آپ کو اپنی جوتش ودیا کے ذریعہ ہمارے آنے کا منشا معلوم ہو گیا تو ہم آپ کے سچے بھگت ہو گئے ہیں۔"

"ہاں میں نے کیا ہے۔" غریب داس نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں آئے۔ اس کا الزام تم پر کون دھر سکتا ہے۔ تم تو تقدیر کے بندھے آئے ہو۔ یہ بھاگیہ چکر ہی تمہیں یہاں کھینچ کر لایا ہے۔"

"ہاں بات تو یہی ہے مہاراج!" چوروں کے سرغنہ نے کہا۔ "مہاراج میں آپ کے لیے ایک معمولی سی بھینٹ لے کر آیا ہوں۔ یہ زیورات اور جواہرات سے بھری تھیلی ہے یہ آپ کی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ آپ اس بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں۔"

"نہیں۔" غریب داس نے کہا۔"میں ایسا ٹھگی اور بے ایمانی کا دھندا نہیں کیا کرتا۔ کیا آپ کے کہنے کا منشا یہ ہے کہ ظلم ہوتا رہے۔ ناانصافی ہوتی رہے اور میں کھڑا تماشہ دیکھتا رہوں۔ اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالوں۔ دنیا کو پتہ بھی نہ چلے۔ میں بہت صابر اور سنتوشی ہوں۔ لیکن صبر کی کوئی انتہا بھی تو ہو۔ کہیں نہ کہیں تو لکشمن ریکھا کھینچنی پڑتی ہے۔"

"ہم پر دیا کیجئے۔ مہاراج! ہم لٹ جائیں گے۔" چوروں نے کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ اس کے قدموں میں گر گئے۔

"جرم تو جرم ہے۔" غریب نے سلسلۂ کلام جاری رکھا اور کسی مظلوم کو سزائے موت کی سی سختی کا انداز اپنائے ہوئے اس نے کہا۔"کوئی جرم اندھیرے میں کیے جانے کی وجہ سے کم سنگین نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ اس آدھی رات کو کیوں آئے۔ تمھیں تو صبح سویرے آنا چاہیے تھا اور پھر اتنے کیوں؟ کیا ایک کافی نہ تھا۔" ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔ "مہاراج ہم لوٹا ہوا شاہی خزانہ لوٹانے کو تیار ہیں۔ لیکن جان بخشی کی دکشنا آپ بتا دیجئے۔ یہ تو آپ کا دھندا ہے۔ اگر ہم آپ کو دکشنا بھینٹ کرتے ہیں تو اس میں آپ جیسے مہاپرش کو رشوت دے کر پٹانے کا خیال ہم کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے۔ لیکن آپ کو اس بات کا بھی حق حاصل ہے کہ آپ نچھتر مالا سے یا رمل ڈال کر گرہ چال کا پورا حساب لگا کر دیکھیں۔ آپ شاہی خزانے کی تجوریاں مل جانے تک حساب لگائیے۔"

غریب نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اب اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ جو لوگ اس کے سامنے کھڑے تھے وہ چور تھے۔ داروغہ کے آدمی نہیں تھے۔ تبھی اس نے زور سے چلا کر انھیں لعنت ملامت کرنا شروع کر دیا۔" پاپیو!" وہ بولا۔"تم شیطان ہو۔ چور ہو۔ آخر تم مان ہی گئے کہ جو شخص آکاش کے ایک ایک ستارے کی چال سمجھتا ہے اس سے تم بچ کر نکل نہیں سکتے۔ ہاں تم نے اپنا پاپ قبول کیا۔ اسی پرائشچت اور پشچا تاپ نے تمھیں بچا لیا۔ لیکن شاہی خزانہ تمھیں فوراً لوٹانا ہوگا اور ناک رگڑ کر قسم کھانی ہوگی کہ تم کبھی چوری نہیں کرو گے۔ چاہے وہ میری بنائی ہوئی چیلیں ہی کیوں نہ ہوں۔ چوروں نے اسی وقت ناک رگڑ کر قسم کھائی۔ پھر انھیں یہ ہدایت دی گئی کہ وہ چالیس تجوریاں ندی کے کنارے شاہی دلکشا باغ کے اس حمام میں ڈال آئیں جو برسوں سے استعمال نہیں کیا جا رہا ہے۔ غریب نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔" یہ دیکھ لینا اس میں ایک بھی چیز گم نہ ہو۔ ابھی کافی اندھیرا ہے۔ دن نکلنے میں کافی وقت ہے تم اپنا کام ختم کرنے کے بعد میرے پاس آکر مجھے بتا دو۔"

جب غریب داس کو اس کی جوتش ودیا کے چمتکار کا پھل بتانے کے لیے مہاراج کے حضور میں پیش کیا گیا تو اس نے کہا۔" مہاراج! بھگوان کی کرپا سے میں گمشدہ تجوریوں کا پھل نکالنے میں سپھل ہو گیا ہوں۔ مہاراج کو دو میں سے ایک چننا ہوگا۔ چور یا شاہی خزانہ۔ آپ کو اُن میں سے ایک ہی چیز مل سکے گی۔ دونوں

نہیں۔ مہاراج! اب آپ فیصلہ کر لیجئے کہ چور چاہئیں یا تجوریاں۔"

"ان حالات میں تجوریاں ہی حاصل کرنا چاہوں گا۔" راجہ نے کہا "چوروں کو معاف کر دیا جائے گا۔ انھیں سزا نہیں ملے گی۔ بشرطیکہ تجوریوں میں سے ایک بھی ہیرا گم نہ ہو۔"

غریب نے جواب دیا "مہاراج! اس معاملے میں اگر آپ حکم دیں تو میں آپ کو بھیما ندی کے کنارے شاہی دلکشا باغ لیے چلتا ہوں۔ خزانہ وہیں ملے گا۔ شاہی خزانچی اور وزیر مال کو بھی ساتھ لے چلیے۔ وہ دونوں ان تجوریوں کے تمام سامان کی گنتی کر لیں گے اور اس کی ایک فہرست بنا لیں گے۔"

چور شاہی تجوریاں غریب داس کی ہدایت کے مطابق دل کشا باغ کے شاہی حمام میں ڈال گئے تھے۔ لہٰذا جب سامان کی گنتی کی گئی تو بالکل صحیح نکلا۔ اس طرح ان کی فہرست تیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ کیونکہ تجوریوں کی مہر بالکل صحیح اور سالم حالت میں تھی۔ تجوریاں صحیح اور سالم حالت میں دیکھ کر سب مارے خوشی کے جھوم اٹھے۔ انھوں نے مسرت کے عالم میں غریب کی جے جے کار شروع کر دی۔

راجہ بھی مارے خوشی کے اپنے جامے میں پھولے نہیں سما رہے تھے۔ انھوں نے کہا "غریب داس جی! آپ کے اس اُپکار کا کیا انعام دیا جائے۔ جو مانگو گے وہی ملے گا۔"

غریب نے نہایت انکساری سے کہا "ایک فرمان جاری کر دیجئے کہ جس کے

مطابق مجھ پر جوتش جیسی مہان ودیا کا دھندہ کرنے پر پابندی لگا دی جائے۔
اس کی اطلاع میری بیوی کو بھی کر دیجیے۔ میں ایک موچی ہوں۔ چپلیں بناتا ہوں۔
انسان کو اپنی حیثیت، مرتبے اور تجربے کے مطابق ہی کام کرنا چاہیے۔ جوتے بنانے
والا جوتے بنائے اور چپل بنانے والا چپل ۔۔۔"

"بڑی عجیب درخواست کی ہے آپ نے۔ غریب داس جی! آپ کی کھری
اور سچی بات پر ہم سب خوش ہوئے۔ آپ کی درخواست منظور کی جاتی ہے ہم ابھی
فرمان جاری کیے دیتے ہیں۔ لیکن آج سے آپ ہمارے شاہی چپل ساز
ہوں گے اور محل کے لیے تمام چپلیں آپ ہی تیار کریں گے۔"

ستارہ نے بھی مہاراج کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ کیونکہ اب
اس کے پاس اتنے ڈھیر سے گہنے، زیور اور جواہرات ہو گئے تھے کہ شہر کی کوئی
بھی رئیس عورت اس پر رشک کر سکتی تھی اور ادھر چوروں نے غریب داس کو
ہیرے جواہرات اور زیورات کی تھیلی دکشنا کے طور پر بھی دی تھی۔ لیکن اس
کے باوجود اسے محل کے رنواس کے لیے چپلیں تیار کرنے کے لیے سونا اور ہیرے
بھی شاہی خزانے سے فراہم کیے جاتے تھے۔

ستارہ جو کل تک ایک سست، کاہل اور خیالی پلاؤ پکانے والی عورت
تصور کی جاتی تھی۔ اب ایک مکمل سگھڑ سیانی، خانہ دار خاتون سمجھی جانے لگی۔
جب وہ بازار سے گذرتی تو لوگ اسے دیکھ کر یہی کہتے "اسے کہتے ہیں۔
ایک سگھڑ اور مہان پتنی۔" ایک اچھا پتی اچھی پتنی سے ہی بنتا ہے۔

کشمیر

ہیمل اور ناگ رائے

بہت زمانہ ہوا کشمیر میں ایک غریب برہمن سو دارام رہتا تھا۔ خدا نے اسے بیوی بھی ایسی دی تھی کہ جو شاکی بھی تھی اور بے صبری بھی۔ ہمیشہ حرص کا بھوت اس کے سر پر سوار رہتا تھا۔ وہ اپنے شوہر کو احمق اور نکھٹو کہہ کر پکارتی۔ اس کی زبان کرنی کی طرح چلتی رہتی۔ جس کا اس کے شوہر پر تباہ کن اثر پڑ رہا تھا ادھر اس کی زبان تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ تیزاب کا کام کرتا تھا۔ سو دارام اس سے تنگ آ چکا تھا۔ وہ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن کوئی راستہ سجھائی نہ دیتا۔

ایک روز جب اس کی بیوی نے اس سے راجہ سے دان دکشنا لانے کو کہا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ دکشنا لینے کے لیے تمھیں زیادہ دور نہیں جانا پڑیگا تو وہ مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ کیونکہ اس طرح اُسے چند روز کے لیے اپنی بیوی کے زہر میں بجھے تیروں سے راحت مل جائے گی۔

اس نے ایک چھوٹے سے تھیلے میں تھوڑا بہت کھانا ڈالا اور گھر سے روانہ ہو گیا۔ کڑی دھوپ میں کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اُسے تھکاوٹ محسوس ہوئی خوش قسمتی سے وہ ایک چشمے کے قریب ایک گھنے درخت کے نیچے آ بیٹھا۔ اس نے اپنی چھوٹی سی گٹھڑی وہاں رکھی۔ اپنا روکھا سوکھا کھانا کھایا اور تھوڑی دیر سستانے کے لیے لیٹ گیا۔ اس سے قبل کہ سودا رام اپنا سفر شروع کرتا، اس نے کیا دیکھا کہ ایک سانپ چشمے سے نکلا اور اس کے چھوٹے سے تھیلے میں جا گھسا۔ سودا رام کو فوراً ایک ترکیب سوجھی کہ کیوں نہ میں یہ سانپ اپنے گھر لے جاؤں۔ وہ میری بیوی کو ڈس لے گا۔ اور اس طرح میرا اس سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔ یہ سوچ کر اس نے کانپتے ہاتھوں سے ایک ڈوری سے تھیلے کا منہ بند کر دیا۔ اور تبھی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ناچ اٹھی اور وہ ہلکے من کے ساتھ گھر لوٹ آیا۔

گھر آ کر سودا رام نے مسرت کے عالم میں چلا کر کہا۔ ''میں نے کہا۔ اِدھر آؤ۔ دیکھو تمھارے لیے ایک انمول تحفہ لایا ہوں۔''

پہلے تو اسے سودا رام کی بات پر یقین ہی نہیں آیا کیونکہ اس کا شوہر اس کے لیے کوئی عمدہ چیز تحفے کے طور پر لاتا ہی نہ تھا۔ تاہم جب اس نے قائل کر دیا کہ اس کے تھیلے میں واقعی کوئی بیش قیمت تحفہ ہے تو وہ اپنے کمرے سے باہر آ گئی۔ اس نے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ جب برہمن نے تھیلا کھولا اور

سانپ نے اپنا سر باہر نکالا تو وہ چیخ مار کر دروازے کی جانب دوڑی۔ لیکن گھبراہٹ کے عالم میں دروازہ نہ کھلا۔ تبھی سودارام نے کہا۔ "کم بخت سانپ تجھے ڈس ہی لے تو اچھا ہے۔ میں تیری پروا کیوں کروں۔"

آخر سانپ نے اس عورت پر رحم کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ تبھی ایک معجزہ رونما ہوا۔ سارا کمرہ اچانک منور ہو گیا اور سانپ نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک ننھے سے بچے کی شکل اختیار کر لی۔ سودارام بھی دانتوں تلے انگلی دبا کر رہ گیا۔ یہ اس کی خوش بختی کی علامت تھی جو اس کی کوڑھ مغز بیوی کے خواب و خیال سے پرے تھی۔

یہ چھوٹا سا بچہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑا ہوتا گیا۔ وہ اپنے دھرم کے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا۔ وہ اُن کے گھر میں کنچن برسانے آیا تھا۔

خوش نصیبی اب سودارام کے قدم چومنے لگی۔ وہ بچہ ناگ رائے کے نام سے مشہور ہوا۔

ایک روز اس نے اپنے باپ سے کہا۔ "پتا جی! مجھے چشمے پر لے چلو میں وہاں صاف شفاف پانی میں نہانا چاہتا ہوں۔"

اس کے باپ نے جواب دیا۔ "بیٹا۔ یہاں تو صرف ایک چشمہ ہے۔ یہ چشمہ شہزادی کا ہے۔ یہ چشمہ قلعے کے اندر ہے۔ یہ قلعہ اونچی دیواروں میں گھرا ہوا ہے اور وہاں چاروں طرف اتنا کڑا پہرہ رہتا ہے کہ پرندہ تک بھی پر نہیں مار سکتا۔

مگر ناگ رائے کی بے قراری بڑھتی رہی اور وہ اپنے باپ سے اصرار کرنے لگا کہ مجھے قلعے کی بیرونی دیوار تک لے چلو۔

سودا رام اسے قلعے کی دیوار تک لے گیا۔ وہاں جاکر ناگ رائے پھر سانپ بن گیا اور وہ دیوار میں ایک شگاف کے ذریعہ رینگ رینگ کر اندر داخل ہوگیا وہاں اس نے چشمے کے صاف شفاف پانی میں نہاکر اپنی آرزو پوری کر لی اور پھر وہاں سے واپس آگیا۔

اگلے روز راجہ کی خوبصورت اور شہرت یافتہ شہزادی ہیمیں نے دیکھا کہ کوئی شخص چشمے میں نہاکر گیا ہے۔ کیونکہ اس نے پانی کے چھپاکے کی آواز سن لی تھی۔ لیکن پہرے داروں اور شہزادی کی کنیزوں میں سے کسی نے بھی کسی کو وہاں نہ دیکھا۔ ناگ راج اگلے روز چپ چاپ وہاں آپہنچا۔ مگر اس بار ہیمیں نے اس گھس بیٹھیے کی جھلک دیکھ لی تھی۔ وہ اس پر بے طرح مر مٹی۔ اس نے فوراً اپنی ایک کنیز سے اس کا پیچھا کرنے کو کہا۔ باندی بھیس بدل کر اس کے پیچھے پیچھے گئی آخر اسے معلوم ہوگیا کہ لڑکے کا نام ناگ رائے ہے وہ شہر کے برہمن سودا رام کا بیٹا ہے۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ جس نوجوان نے اس کا دل جیتا ہے وہ اسی شہر کا رہنے والا ہے۔ لہٰذا اس نے اس برہمن زادے سے شادی کرنے کا تہیہ کر لیا اور اپنی آرزو ظاہر کرنے کے لیے روایتی شاہی رسوم ترک کر کے گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں اپنے باپ کے پاس آگئی اور اس کے سامنے اپنا مقصد

بیان کر دیا۔ ہیمل کے باپ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی بیٹی اپنے من پسند
کے نوجوان سے شادی کرنا چاہتی ہے تو اس نے پہلے تو محسوس نہ کیا لیکن
دوسرے ہی لمحہ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اُسے ایک غریب برہمن زادے کو اپنا داماد
بنانے کا خیال مضحکہ خیز محسوس ہوا اور ذلت آمیز بھی۔

"میں اپنی ذات برادری، دوسرے راجاؤں، دربار کے درباریوں، امیروں
اور وزیروں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔" اس نے اسے تنبیہہ کی لیکن ہیمل اپنی ضد پر اڑی
رہی اور اس نے اعلان کر دیا کہ جب تک راجہ اس کی خواہش پوری نہیں کرے گا
وہ کھانا تک نہ کھائے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے کھانا پینا اور ہار سنگار
سب کچھ چھوڑ دیا۔

تریا ہٹ کے ساتھ بال ہٹ دونوں ہی مشہور ہوتے ہیں۔ یہاں تو کریلے
اور نیم چڑھے کی کیفیت تھی۔ آخر راجہ کو ہیمل کے ارادے کے آگے جھکنا پڑا چند
روز بعد ہی ہیمل کی ضد رنگ لائی اور راجہ نے سودا رام کو اپنے محل میں طلب
کیا۔ جب سودا رام نے محل میں قدم رکھا تو وہ پہلے بے حد خوف زدہ ہوا اور جب
راجہ نے اپنا مقصد بیان کیا تو اس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ وہ بہت
بڑی الجھن میں گرفتار ہو گیا۔ اس نے کہا مہاراج! میں ایک غریب ہوں۔ جگہ
جگہ مانگ کر گزارہ کرتا ہوں۔ آپ مخمل پر ٹاٹ کا پیوند لگانے کی بات سوچ رہے
ہیں۔ میں اور آپ۔ کیا راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی۔ میں شہزادی کو اپنی بہو کیسے

بنا سکتا ہوں۔ وہ تو ایک انمول موتی ہے اور میں ٹھیرا گوڈر! لیکن جب ناگ رائے نے اس رشتے کے لیے اصرار کیا تو سودا رام کو جھجکتے ہوئے چاروناچار ہاں کہنی ہی پڑی۔"

جب شادی کا دن قریب آگیا تو سودا رام غم کے بحرِ بیکراں میں ڈوب گیا۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتا کہ جب ہم محل میں بارات لے کر جائیں گے تو ہمیں کتنی ندامت ہوگی۔ یہ سن کر ہی میں مارے شرم کے پانی پانی ہوا جا رہا ہوں۔ مگر ناگ رائے نے کہا کہ شادی کے متعلق آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔

شادی کے دن اس نے بید کی چھال پر ایک پیغام لکھا اور سودا رام سے کہا کہ آپ سیدھے اسے کسی چشمے میں ڈال آیئے۔ سودا رام نے وہی کیا۔ لیکن جب وہ گھر لوٹا تو اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جہاں غریب برہمن سودا رام کی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی تھی وہاں ایک عالی شان محل کھڑا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا گویا وہ راستہ بھول گیا ہے۔ اسے اندر ڈھول نقارے بجنے اور شہنائی کی آواز بھی سنائی دی۔ اس نے دیکھا کہ گھوڑوں پر زین آراستہ اور ہاتھی عماریوں سے پیراستہ ہیں اور دربان زرق برق پوشاکیں پہنے کھڑے ہیں۔

ناگ رائے اندر سے شہزادوں کی طرح باہر نکل آیا۔ وہ اب مہاراجہ تھا۔ اس نے سودا رام کو یقین دلایا کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ سارا شہر مسرت

کے جھولے میں جھول رہا تھا کیونکہ ہیل اور ناگ رائے کی شادی تھی دریا کے کنارے ان کے لیے ایک نیا محل تعمیر کر دیا گیا۔ جہاں وہ ہنسی خوشی رہنے لگے۔

لیکن انھیں مسرت کے یہ دن اور زیادہ دیکھنے نصیب نہ ہوئے۔ ناگ رائے کی ناگنیں پاتال میں اس کی جدائی بری طرح محسوس کرنے لگیں اور اس کی تلاش کی سر توڑ کوششیں کرنے لگیں۔ ان میں سے ایک انسانی شکل اختیار کر کے عورت بن گئی اور اس نے اپنے شوہر کے متعلق پوچھ تاچھ شروع کر دی۔ آخر اسے علم ہو گیا کہ ناگ رائے کی شادی ہیل سے ہو گئی۔

ناگ رائے کو آگاہ کرنے کے لیے کہ اس کا تعلق ناگنوں سے ہے وہ اپنے ساتھ سونے کے چند نایاب برتن بھی لے گئی اور انھیں فروخت کرنے ہیل کے پاس آئی اور اس کے سینے پر منڈلانے لگی۔ ہیل ان نوادرات سے بے حد متاثر ہوئی اور انھیں سستے داموں خرید لیا۔ ناگ رائے شکار سے لوٹا تو ہیل نے اسے وہ سونے کے برتن دکھائے۔ اس نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ اس کی ناگنوں کی شرارت ہے۔ اس نے ان برتنوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ہیل کو تنبیہہ کی کہ وہ آئندہ ایسی عورتوں کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئے۔ ہیل شش و پنج میں پڑ گئی مگر خاموش رہی۔ جب ناگن کی پہلی چال ناکام ہو گئی تو ناگ رائے کی ایک اور ناگن نے مختلف چالیں چلنے کی کوشش کی۔ اس نے ایک چمارن کا بھیس بھرا اور سیدھی ہیل کے پاس گئی اور اس سے پوچھا کہ کیا وہ اس کے

پتی ناگ رائے موچی کو جانتی ہے۔؟

" ناگ رائے میرا پتی ہے۔" سہیل نے جواب دیا۔" وہ برہمن ہے اور سوداراm کا بیٹا ہے۔"" میں یہ نہیں جانتی۔" اس نے جواب دیا۔" مجھے معلوم ہے کہ ناگ رائے میرا پتی ہے اور وہ ہریجن ہے۔

اس نے سہیل کا چہرہ دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ اس کی بات کا اثر ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اس نے مزید کہا۔" تم اس کی ذات پوچھ لو لیکن تمھیں یقین نہیں آئے گا اور اگر تم اس کا امتحان لے لو تو اسے کہو کہ وہ دودھ کے چشمے میں چھلانگ لگائے اگر وہ برہمن ہو گا تو ڈوب جائے گا اور اگر ہریجن ہوا تو چشمے پر اس کی لاش تیرتی نظر آئے گی۔"

جب ناگ رائے نگر آیا تو سہیل نے اس کی ذات پوچھی۔ اس نے سمجھ لیا کہ اس کی ناگن اُسے بے وقوف بنا گئی ہے۔ اس نے اُسے سمجھا بجھا دیا۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑی رہی کہ آپ کو اپنی ذات کا ثبوت دینا ہو گا۔ اس کے لیے آپ کو امتحان سے گزرنا ہو گا۔

سہیل کو مطمئن کرنے کی جب تمام کوششیں ناکام ہو گئیں کہ یہ جال اس کے دشمنوں کی طرف سے بچھایا گیا ہے تو آخر اسے اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے امتحان سے گزرنا پڑا۔ اس نے اپنے پاؤں دودھ کے چشمے ڈال دیئے اور اُدھر ناگ رائے کی ناگنوں سے مل کر اُسے دھکا دے کر چشمے میں گرا دیا۔

اس نے اس امید سے مزاحمت نہ کی کہ ممکن ہے ہیل مطمئن ہو جائے۔ لیکن سب بے سود۔ جب اس کے گھٹنے ڈوب رہے تھے تو اس نے کہا تم مطمئن ہو" اس نے انکار میں جواب دیا۔

جب اس کی کمر ڈوبنے لگی تو اس نے پھر پوچھا۔ لیکن اس نے جواب نہیں دیا۔ جب دودھ کی سطح چھاتی اور ٹھوڑی تک آ پہنچی تو اس نے ہیل سے بار بار درخواست کی لیکن اس کی ذات کے متعلق غلط فہمی ابھی تک دور نہ ہوئی تھی۔ جب تک دودھ ماتھے تک نہ آ پہنچا اور وہ ڈوبنے لگا تو ہیل کو موقعہ کی نزاکت کا احساس ہوا، تو وہ چھلانگ لگا کر بڑھی اور اس کے بال پکڑ کر اسے وہاں سے نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی ناگ رائے دودھ میں ڈوب کر غائب ہو گیا اور ہیل کے ہاتھوں صرف اس کے بالوں کا گچھا رہ گیا۔

اب ہیل تنہا رہ گئی تھی۔ اس کا غم نا قابلِ بیان تھا۔ اس نے رو رو کر برا حال کر دیا تھا اور کوئی بھی ڈھارس دینے والا نہ تھا۔ اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا اور اس پر ستم یہ کہ اُسے اپنی نادانی کے باعث ہی یہ دن دیکھنا پڑا۔ اپنی اس غلطی کا کفارہ کرنے کے لیے اس نے اپنی تمام دولت خیرات کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ ہر روز وہ لاتعداد مصیبت زدہ مردوں اور عورتوں کو راحت پہنچاتی۔ اس نے سونا چاندی، ہیرے جواہرات سب کچھ خیرات

کر دیا۔ حتیٰ کہ اس کے پاس صرف سونے کی ایک کونڈی اور موسلی رہ گئی تھی۔

ایک بار ایک بوڑھا اور اس کی لڑکی اس کے پاس خیرات لینے آئے۔ اس نے انھیں کھانا کھلایا اور اپنی بپتا سنائی۔ اس کی داستانِ غم سن کر کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ اس بزرگ نے سہیل کو بتایا کہ ایک رات میں اور میری لڑکی ایک چشمے کے قریب بیٹھے تھے کہ آدھی رات کو کافی شور سنائی دیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے فوج مارچ کرتی ہوئی آ رہی ہو۔ پھر کئی نوکر چشمے سے نکلے۔ انھوں نے جگہ صاف کی اور ایک شاندار دعوت کا بندوبست کیا۔ اس میں کئی مہمان شریک ہوئے۔ ان میں سے ایک شہزادہ بھی تھا۔ رقص و سرور کی محفل کے بعد وہ سب چشمے میں غائب ہو گئے۔ صرف ان کا سردار رہ گیا۔ اس نے تھوڑا سا کھانا درخت کے نیچے یہ کہہ کر رکھ چھوڑا۔ "یہ حصہ سہیل کے نام کا ہے۔" یہ کہہ کر وہ بھی چشمے میں غائب ہو گیا۔

سہیل نے اس بزرگ سے اصرار کیا کہ وہ اسے چشمے تک لے جائے اور اسے اپنی بچی ہوئی سونے کی کونڈی اور موسلی بطور انعام دے دی۔ وہ اسے چشمے پر لے آیا۔ جو کچھ اس بوڑھے نے بیان کیا تھا۔ رات کو اس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس کی رگیں تن گئیں اور دل بے طرح دھڑکنے لگا۔ جب ناگ راے چشمے سے باہر نکلا تو سہیل اس کے قدموں پر گر پڑی۔ ناگ نے

بھی عالم جذبات میں ہو گیا۔ لیکن اُسے یہی خوف کھائے جا رہا تھا کہ اگر میں اسے اپنی قیام گاہ میں لے گیا تب تو میری ناگنیں اُسے ڈس لیں گی۔ اس نے اسے تسلی دی اور کہا۔ "تم ایک ڈیڑھ مہینہ انتظار کر و میں تمھارے رہنے کا انتظام ہوتے ہی اپنے پاس لے آؤں گا۔"

ہیل فرقت کے مزید لمحات برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس کے پیروں سے لپٹ گئی۔ ناگ رائے اب تذبذب میں تھا۔ آخر کار اُس نے اسے کنکر بنا کر اپنی پگڑی میں چھپا لیا اور ناگ لوک میں اپنے گھر چلا گیا۔ اسکی ناگنوں نے اسے کنکھیوں سے دیکھا اور آدم بو آدم بو کہہ کر اس کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ وہ یہ راز پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ جب انھوں نے صدق دلی سے وعدہ کر لیا کہ وہ اسے تنگ نہ کریں گی تو اس نے ہیل کو پھر عورت بنا دیا۔ وہ اس کے حسن و نزاکت سے بے حد متاثر ہوئیں لیکن سوتیا ڈاہ آگے آ رہا تھا۔ اسی باعث انھوں نے اس کی کوئی مدد نہ کی۔ چونکہ انھوں نے ناگ رائے سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہیل کو کوئی ایذا نہ پہنچائیں گی۔ اس لیے بدلہ لینے کی غرض سے وہ اس سے چاکری کرانے لگیں۔

یہ شہزادی تو محلوں میں نازوں سے پلی تھی۔ جہاں ہر کام کے لیے نوکر چاکر، لونڈیاں اور کنیزیں ہمیشہ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔ لیکن پھر بھی اس نے باورچی خانے کی دیکھ بھال کی پوری ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر لے لی۔ لیکن اس خانہ داری کے امور کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اس لیے وہ ایک

گنوار اور پھوہڑ خانہ دار خاتون ثابت ہوئی۔ ایک روز وہ سنپولیوں کے لیے
ابلے ہوئے دودھ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اُسے برتنوں میں انڈیل رہی تھی۔
کہ اچانک چمچہ برتنوں سے ٹکرایا۔ سنپولیے غلطی سے معمول کے مطابق ناشتہ
سمجھ کر لپکے۔ وہ باورچی خانے کی جانب رینگنے لگے اور جلدی سے گرم گرم دودھ
نگل لیا۔ اس کے نتیجے میں سب جل کر مر گئے۔

ناگنوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سب نے مل کر ہیل کو ڈس لیا اور وہ فوراً
ہی راہیٔ ملک عدم ہوگئی۔

اس المناک حادثے سے ناگ رائے پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ پاگل
ہو گیا۔ لیکن لاچار تھا اس نے ہیل کی لاش کو نہلایا۔ وہ اسے نذرِ آتش کرنے
کے بہانے چشمے کے کنارے آیا۔ وہ ہیل کے عشق میں اس حد تک گرفتار
تھا کہ وہ اس کی لاش کو سپردِ آتش کرنے کے تصور ہی سے گھبرا اُٹھا۔ اُسے
جلانے کے بجائے اس نے اُسے حنوط کر کے بستر پر جو درخت کے نیچے
بچھایا تھا۔ کبھی کبھار وہ چشمے سے نکلتا اور لاش کے حسن و جمال پر ندامت
آمیز اور پشیمان کن نظر ڈالتا۔ اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ایک
روز ایک سادھو اس چشمے کے قریب سے گزرا کہ جہاں درخت کے نیچے
ہیل کی لاش رکھی تھی۔ وہ ہیل کے حسن و جمال اور ناگ رائے کی بے پناہ عقیدت
اور محبت سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے اس کے تنِ خاکی میں روح پھونک

دی۔ اور اسے زندگی کا ایک بیش بہا تحفہ عطا کر دیا۔ اس کے بعد وہ ہیل کو اپنے گھر لے آیا۔ جہاں سادھو کا لڑکا ہیل کے حسنِ سحر انگیز پہ فدا ہو گیا۔ اس کی داستانِ غم سنے بغیر اس نے دل ہی دل میں اس سے شادی کرنے کا تہیہ کر لیا۔

چند روز بعد جب ناگ رائے ہیل کی لاش کا دیدار کرنے کو اور اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنے کے لیے چشمے سے باہر نکلا اور لاش کو غائب دیکھا تو اس کے غم کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اپنی دنیا میں جانے سے پہلے وہ اس گتھی کو سلجھانا چاہتا تھا۔ آخر کار اس نے سادھو کی کٹیا تلاش کر لی۔ جہاں اس کی ہیل سوئی پڑی تھی۔ وہ اسے ازسرِ نو زندہ دیکھ کر مارے خوشی کے جھوم اٹھا۔ وہ اس کی نیند میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا تھا اور جب تک ہیل جاگ نہ جائے وہ اس کے بستر کے گرد کنڈلی مار کر بیٹھا رہا۔

اس دوران سادھو کا لڑکا کٹیا میں داخل ہوا۔ وہ سانپ کو وہاں دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے فوراً سانپ کو مار ڈالا۔ اس شور میں ہیل کی آنکھ کھل گئی۔ اسے سانپ کی معنی خیز اہمیت کا احساس ہو گیا۔ وہ اس کی غیر فطری موت کا ماتم کرنے لگی کہ ہائے میری وجہ سے آپ کو ایک بار پھر دکھ جھیلنا پڑا۔ اس کے بعد اس کے مردہ سانپ کی آخری رسوم ادا کیں اور اس کے ساتھ ستی ہونے کے لیے چتا کی جانب بڑھی اور اس نے جلتی چتا

میں کود کر اپنی جان دیدی۔

ان کی اس بے پناہ عقیدت، محبت اور ایک دوسرے کے خاطر قربان ہو جانے کے جذبہ پر ایک ایک آنکھ پُر نم تھی۔ سادھو کو خاص طور پر ندامت اور پشیمانی تھی۔ کیونکہ اس کی جھونپڑی میں ناگ رائے نے ہیل کی محبت کی خاطر اپنی جان نثار کر دی تھی۔ اسی باعث ہیل بھی ستی ہو رہی تھی۔

ایک روز وہ غم و اندوہ کے عالم میں اس سچائی پر غور کر رہا تھا کہ اُسے ایک درخت پر دو پرندے ہیل اور ناگ رائے کی محبت، عقیدت اور جذبۂ ایثار کے متعلق گفتگو کرتے نظر آئے۔ وہ پرندوں کی بولی جانتا تھا۔ مادہ پرندہ اپنے نر سے یوں گویا تھا۔ "یہ دونوں پھر زندہ ہو سکتے ہیں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں۔" نر نے جواب دیا۔ بشرطیکہ اُن کی راکھ چشمے میں گرا دی جائے۔"

سادھو کو فوراً احساس ہو گیا وہ دونوں شیو اور پاربتی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ اس نے فوراً ان کی راکھ یکجا کر کے چشمے میں پھینک دی اور اس کے ساتھ ہیل اور ناگ ایک بار پھر ذی روح انسان ہو گئے۔ اس کے بعد وہ مزید کوئی اذیت اٹھائے بغیر ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

ایاپن

کیرل کے علاقے پنتھلم میں راج شیکھرن نامی ایک راجہ راج کرتا تھا۔ وہ بہت دانا نیک اور فراخ دل تھا۔ ان کی رعایا انھیں بہت چاہتی اور ان کا احترام کرتی تھی۔ لیکن راجہ اور رانی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ ہر روز بھگوان سے ایک بیٹے کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔

ایک روز جب مہاراج راج شیکھرن ایک جنگل سے گزر رہے تھے تو انھوں نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی۔ انھوں نے اپنے گھوڑے کا رُخ اس جانب کر دیا۔ ایک نوزائدہ بچے کو درخت کے نیچے پڑا دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

جوں ہی راجہ نے اُسے اُٹھایا بچے نے رونا بند کر دیا۔ ایسا خوبصورت بچہ راجہ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ راجہ نے سوچا کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے۔ ضرور یہ کسی اونچے گھرانے کا چشم وچراغ ہے۔

یہ بچہ کون ہے ؟ انھوں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔" اسے کون یہاں چھوڑ گیا ہوگا ؟" مہاراج راج شیکھرن کے ذہن میں دوسرا سوال گونجا۔ راجہ نے چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ انھوں نے بچّے کو اپنے محل میں لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

رانی بچے کو دیکھ کر مارے خوشی کے جھوم اُٹھی۔" یہ بھگوان کا بھیجا ہوا ایک انمول تحفہ ہے۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے بچّے کو پیار سے گود میں لے کر چوم لیا۔ انھوں نے بچے کو اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ اس کے گلے میں ڈورے سے بندھی گھنٹی کی وجہ سے انھوں نے اس کا نام کنٹھن منی رکھ دیا۔

قدرت کا کھیل دیکھیے کہ ایک سال بعد رانی کے یہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہو گیا۔ راجہ رانی دونوں بچوں کو یکساں پیار کرتے تھے۔ دونوں بچّے ایک ساتھ بھائیوں کی طرح پروان چڑھے۔ وہ اکٹھے کھیلتے اور ایک ہی گرو سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ منی کنٹھن لکھنے پڑھنے، کھیلنے کودنے اور ہتھیار وغیرہ کی تربیت حاصل کرنے میں غیر معمولی صلاحیت کا مالک تھا۔ وہ ہر علم اتنی جلدی سیکھ لیتا تھا کہ اس کے تمام اُستاد محوِ حیرت تھے۔ یہ بچہ جتنا تندرست و توانا اور بہادر تھا اتنا ہی عقلمند، ذی فہم اور منکسر المزاج بھی۔

رانی بھی سب کچھ سمجھتی تھی۔ حالانکہ منی کنٹھن اس کے بیٹے سے صرف ایک سال بڑا تھا۔ پھر بھی وہ ہر میدان میں اس کے بیٹے سے پیش پیش رہتا تھا ــــ

اس بات سے رانی دل ہی دل میں پریشان تھی۔

ایک روز ایک درباری رانی کے پاس آیا اور بولا"مہارانی جی! جنتامنی کنٹھن کو بہت چاہتی ہے وہ ابھی سے اسے راجہ کا جائز وارث سمجھتی ہے۔"

اگرچہ رانی منی کنٹھن کو بہت چاہتی تھی۔ پھر بھی اس کا راجہ بننا اسے قطعاً پسند نہ تھا۔ وہ سوچنے لگی "آخر تو منی کنٹھن کو ہم نے گود ہی لیا ہوا ہے۔ تخت کا حقیقی وارث تو میرا بیٹا ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ جانتی تھی کہ مہاراج راج شیکھرن منی کنٹھن کو بہت پیار کرتے تھے اور اس کی دانائی، ہوشیاری اور مہارت پر انھیں ناز ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ کوئی اور ان کا وارث بن سکے۔"

"تو میں کیا کروں؟" وہ سوچتی رہی اور آخر اسے ایک تدبیر سوجھ گئی۔ وہ بیماری کا بہانہ کر کے بستر پر پڑ گئی۔ اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میرے پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اس زور سے کراہنے لگی کہ اس کے نوکر چاکر، کنیزیں سب ڈر گئے کہ نہ جانے مہارانی کو کیا ہوا ہے۔ وہ بھاگے بھاگے راجہ کے پاس گئے اور اطلاع دی کہ رانی سخت بیمار ہے۔

راجہ بھی فوراً رنواس میں پہنچے۔ انھوں نے راج وئید شاہی طبیب کو فوراً طلب کیا۔ اس نے رانی کو بڑھیا سے بڑھیا دوا دی مگر سب بے سود۔ اس کی بیماری تو دن بہ دن بڑھتی ہی گئی۔ وہ ہر وقت پیٹ پکڑے بیٹھی رہتی ــــــ اور یہی کہتی کہ میرے پیٹ میں شدید درد اٹھ رہا ہے۔ اس نے راجہ سے

کہا کہ اب اپنے ذاتی وید کو بلالیا جائے۔

جب ان کا ذاتی معالج آگیا تو رانی نے سب کو کمرے سے باہر نکل جانے کو کہا۔ ان کے چلے جانے کے بعد مہارانی نے طبیب کو ساری کیفیت سمجھادی اور کہا کہ آپ کسی طرح منی کنٹھن سے چھٹکارا دلادیں تو میں آپ کو مالامال کر دوں گی۔ مہاراج بڑی بے صبری سے وید کے باہر آنے کی راہ دیکھ رہے تھے۔

"کیا آپ مہارانی کو کسی نہ کسی طرح ٹھیک کر سکتے ہیں؟" وید کے باہر آنے پر انھوں نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے مہاراج!" وید نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔" ان کی بیماری کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے!"

"کیا ہم ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے؟" مہاراج نے پوچھا۔

وید نے انکار کرتے ہوئے سر ہلایا اور کہا۔" مجھے کوئی علاج نہیں سوجھ رہا ....ہاں....آخری کوشش.....لیکن" وہ بھی تو ممکن نہیں۔" وید کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"کیا بات ہے بولو؟" راجہ نے پوچھا۔

"شیرنی کا دودھ مہاراج!" وید بولا۔

"شیرنی کا دودھ۔" راجہ نے حیرت سے کہا۔" شیرنی کا دودھ کیسے ملے گا۔ جب شیرنی اپنے بچوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتی ہے تو اس کے قریب

جانے کی ہمت کون کرسکتا ہے۔" مہاراج بولا۔

"حضور تبھی تو میں جھجکا تھا۔ اس بیماری کی اور کوئی دوا نہیں۔" وید نے جواب دیا۔

مہاراج صحن میں اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں اپنے ہاتھ مروڑ رہے تھے۔ انھوں نے اپنے وزیر اعظم کو بلایا اور پورے شہر میں منادی کرانے کا حکم دیا کہ جو شخص مہاراج کے لیے شیرنی کا دودھ لائے گا اسے میں اپنا آدھا راج دے دوں گا۔"

ہزاروں بہادر نوجوانوں نے اس چیلنج کو قبول کیا اور وہ جنگل میں دودھ لینے گئے۔ بیشتر نوجوان اس کوشش میں موت کی نیند سو گئے مگر شیرنی کا دودھ لانے میں کوئی کامیاب نہ ہو سکا۔ مہاراج ناامیدی اور مایوسی کے بحرِ بیکراں میں ڈوب گئے وہ درباریوں کو دیکھ کر انتہائی دکھی ہو کر چلا اُٹھے۔

سب درباری سر جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ کسی کے پاس بھی اس سوال کا جواب نہ تھا۔ اسی وقت منی کنٹھن اندر آیا۔ وہ جھک کر اپنے والد کے سامنے آداب بجا لایا اور بولا۔ "مہاراج اگر آپ مجھے جنگل میں جا کر رانی ماں کے لیے شیرنی کا دودھ لانے کی اجازت دے دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

"نہیں نہیں! میرے بیٹے! تم صرف بارہ برس کے معصوم بچے ہو۔ یہ کام انتہائی جان جوکھم کا ہے۔ اس کام کو انجام دینے میں تم سے عمر میں بڑے اور بہادر

نوجوان جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور پھر بھی ناکام و نامراد رہے ہیں۔" مہاراج نے کہا۔

"پتا جی، کرپا کر کے مجھے جانے دیجیے۔ آخر یہ میرا فرض ہے اگر میں اپنی ماں کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا تو میرے ہونے سے آپ کو یا رعایا کو کیا فائدہ ہوا؟" منی کنٹھن نے کہا۔

بہت منت سماجت اور اصرار کے بعد راجہ منی کنٹھن کو جنگلوں میں بھیجنے پر آمادہ ہو گئے، اور بولے: "بیٹے، اگر تم جانا ہی چاہتے ہو تو جاؤ۔" ان کی آواز غم و اندوہ سے کانپ رہی تھی: "لیکن اپنے ساتھ میرے سب سے اچھے ہوشیار اور بہادر سپاہیوں کو لیتے جاؤ تاکہ تم پر کوئی آنچ نہ آسکے۔"

"نہیں، پتا جی! میں اکیلے ہی جانا چاہتا ہوں۔ آپ یقین رکھیے میں کام پورا کر کے لوٹوں گا۔" منی کنٹھن نے کہا۔

راجہ نے بوجھل دل کے ساتھ منی کنٹھن کو تنہا ہی جنگل کی جانب جاتے دیکھا حاضرینِ دربار اور رعایا نے بے حد پیار و محبت لیکن اداس اور دکھی دل کے ساتھ وداع کیا۔ "اب ہم اپنے راج کمار منی کنٹھن کو پھر کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔" وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

صرف رانی ہی اس چال پر خوش تھی۔ اُسے یقین تھا کہ منی کنٹھن اب کبھی واپس نہیں آسکے گا۔ پھر اس کا اپنا بیٹا ہی تخت پر بیٹھے گا۔

کئی دن گزر گئے۔ مہاراج راج شیکھرن انتہائی دکھی اور پریشان تھے۔ کئی بار تو وہ بیٹے کے غم میں رو بھی پڑے تھے۔

ایک روز علی الصبح محل کے باہر ہل چل مچ گئی۔ لوگ چیختے چلاتے ہوئے ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ راجہ نے بھی جب یہ شور سنا تو وہ جلدی جلدی محل سے باہر نکل کر آ گئے۔ انھیں یہ منظر دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ بار بار آنکھیں ملتے اپنے آپ کو چٹکیاں بھرتے کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔ مہاراج نے کیا دیکھا کہ شیرنیوں کا ایک جھنڈ اپنے بچوں کے ساتھ محل کی جانب چلا آ رہا ہے۔ سب سے آگے ایک خوبصورت شیرنی پر منی کنٹھن سوار تھا۔ وہ خاموش اور پرسکون بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ نور سے تمتما رہا تھا۔ کمان اس کے بائیں ہاتھ میں تھی اور تیروں سے بھرا ترکش اس کی پیٹھ پر لٹک رہا تھا۔

مہارانی بھی مہاراجہ راج شیکھرن کے پیچھے باہر نکل آئی۔ جب اُس نے یہ منظر دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ منی کنٹھن کوئی معمولی بچہ نہیں ہے۔

"مہاراج! مجھے معاف کر دیجیے۔" وہ روتی ہوئی راجہ کے پیروں پر گر پڑی۔ اور بولی "میں نے بیماری کا بہانا کیا تھا۔ میں دراصل منی کنٹھن سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی تاکہ میرا بیٹا تخت پر بیٹھ سکے۔ میں آپ سے رحم کی بھیک مانگتی ہوں۔"

مہاراج بھی سمجھ گئے کہ منی کنٹھن میں کوئی نہ کوئی غیبی طاقت ضرور ہے۔"

"میرے پربھو، میرے پربھو" چلاتے ہوئے وہ لڑکے کی جانب بھاگے اور

اس کے گھٹنوں پر گر پڑے۔ "میں نے آپ کو جنگل میں جانے دیا۔ اس کے مجھے معاف کر دیجیے۔" انھوں نے مزید کہا۔

منی کنٹھن شیرنی کی پیٹھ سے اتر آیا۔ "مہاراج اٹھیے۔" اس نے آہستہ سے کہا "اس میں کسی کا قصور نہیں ہے۔ اس لیے معافی کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ مجھے جنگل میں جا کر ایک اور کام کرنا تھا۔"

"پربھو وہ کیا۔" راجہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مجھے مہیشی نامی راکشسی کو مارنا تھا۔ وہ دیوتاؤں، رشی منیوں، یہاں تک کہ ایک ایک شخص کو پریشان کر رہی تھی۔ اس نے برہما سے بردان لیا تھا۔ شیو یا وشنو میں سے کوئی بھی اسے مار نہیں سکے گا۔ اس لیے دونوں نے اپنی طاقت ملا کر مجھے بنایا۔ پھر انھوں نے مجھے جنگل میں چھوڑ دیا۔ وہیں میں آپ کو ملا تھا۔ اس کے بعد کی کہانی تو آپ جانتے ہی ہیں۔ اسی لیے مہیشی کو مارنے کے لیے مجھے جنگل میں جانا پڑا۔ اب میں نے اپنا کام پورا کر لیا ہے۔ اس لیے مجھے یہاں جانا ہوگا۔ منی کنٹھن۔ کہتا رہا اور سب سنتے رہے۔

"میرے پربھو۔" راجہ راج شیکھرن نے نہایت انکساری سے کہا۔ "میری ایک درخواست مان لیجیے۔"

"ضرور۔" منی کنٹھن نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس بات کی اجازت دیجیے کہ میں اپنے راج میں آپ کا ایک مندر بنواؤں۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" منی کنٹھن بولا اور اس نے اپنا چلا چڑھایا اور تیر ہوا میں چھوڑا اور پھر کہا۔ "جہاں یہ تیر گرے وہیں میرا مندر بنوانا۔" یہ کہہ کر وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

اس کے بعد مہاراجہ راج شیکھرن نے سبری پہاڑی کی چوٹی پر بھگوان ایاپن کا مندر بنوایا۔ وہاں منی کنٹھن کی ایاپن کے طور پر پوجا کی جاتی ہے۔

گجرات

سورج کی گواہی

آدھی رات کا وقت تھا۔ ساری دنیا سناٹے میں دبکی ہوئی تھی اچانک کسی کے رونے کی آواز آئی۔

راجہ رائے دلیل رعایا کے سکھ دکھ کی کیفیت جاننے کے لیے رات کے سناٹے میں بھیس بدل کر گھوم رہے تھے۔ جہاں سے آواز آرہی تھی۔ اُن کے قدم اسی جانب اٹھنے لگے۔ جاکر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سنسان چورلاہے پر ایک شخص بیٹھا سر پکڑ کر رو رہا ہے۔

"کیا بات ہے؟ روتے کیوں ہو؟" رائے دلیل نے پوچھا۔

"کیا بتاؤں؟ اس دنیا میں دین ایمان نام کی کوئی چیز رہی ہی نہیں۔ کہو کس کو بتاؤں۔" اس شخص نے کہا۔

"تو تم رائے دلیل کے پاس کیوں نہیں جاتے؟" رائے دلیل نے کہا۔

"کیسے جاؤں؟ پہرے دار مجھے باہر ہی سے دھکیل نہ دیں گے۔"
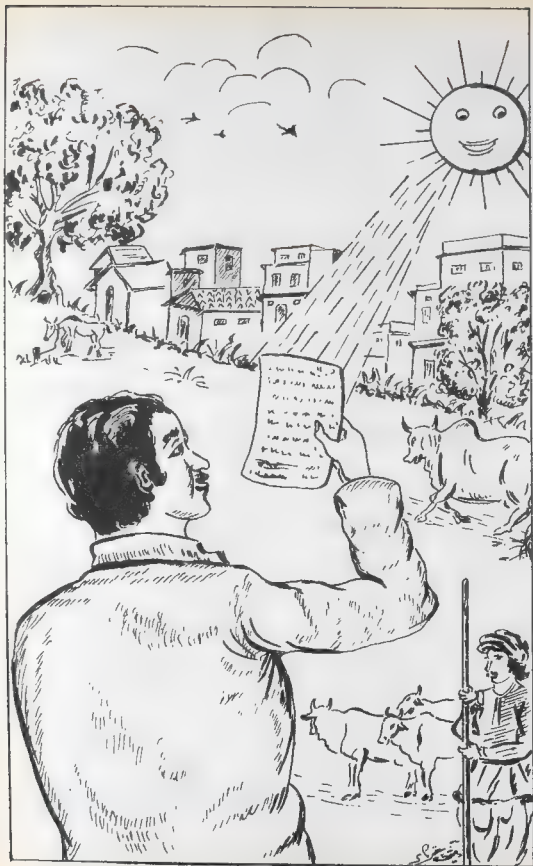
"نہیں دھکیلیں گے؟ لو یہ انگوٹھی۔ کل رائے دلیل کے سامنے جاکر دہائی دینا۔"
رائے دلیل نے یہ کہتے ہوئے اسے انگوٹھی پکڑا دی۔

اگلے روز وہ شخص پہرے داروں کو انگوٹھی دکھا کر رائے دلیل کے دربار میں جا پہنچا اور یوں فریاد کرنے لگا۔

"باپو! میں ایک کسان ہوں۔ میں نے نگر سیٹھ سے ایک ہزار کوڑیاں اُدھار لی تھیں۔ سود سمیت میں ساری کوڑیاں لوٹا چکا ہوں۔ لیکن نگر سیٹھ کہتے ہیں کہ میں جوں کا توں قرض دار ہوں۔ سود سمیت سوا ہزار کوڑیاں میں پھر کہاں سے لاؤں؟ میرے پاس تو کانی کوڑی بھی نہیں ہے۔"

"کیا کوئی ثبوت ہے۔ تمھارے پاس کہ تم اپنا قرض چکا چکے ہو؟" رائے دلیل نے سوال کیا۔

"مہاراج! میں نے نگر سیٹھ کو رقعہ لکھ کر دیا تھا۔ رقم لوٹاتے وقت میں نے اس کا مضمون خود اپنے ہاتھ سے کاٹ دیا تھا!" اس شخص نے جواب دیا۔

"پھر نگر سیٹھ تم سے دوبارہ کیوں مانگ رہا ہے؟" رائے دلیل نے پوچھا۔

"باپو! نگر سیٹھ نے کوئی چالاکی کی ہے! کیسے کی ہے، میں نہیں جانتا۔" اس شخص نے کہا۔

رائے دلیل سوچ میں پڑ گئے۔ انھوں نے کسان کو اگلے روز آنے کو کہا۔ کسان چلا گیا۔ رائے دلیل نے نگر سیٹھ کے نام پیغام بھجوا دیا کہ کل آپ کو دربار میں حاضر ہونا ہے۔ دوسرے دن نگر سیٹھ اور کسان دونوں رائے دلیل کے

سامنے کھڑے تھے۔ رائے دلیل نے آنکھیں نکالتے ہوئے نگر سیٹھ سے کہا" کیا چال کھیلی ہے تم نے۔ ایسی سزا دوں گا کہ ساری زندگی یاد رکھو گے۔"

نگر سیٹھ نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔" گستاخی معاف حضور مہاراج۔ جھوٹا میں نہیں یہ کسان ہے۔ میں نے قرض کے طور پر ہزار کوڑیاں اسے دی تھیں اس نے نہ تو اب تک اصل رقم لوٹائی اور نہ ہی سود۔ اب یہ زور دکر سچا بنتا ہے اور آپ کی ہمدردی چاہتا ہے۔"

"جس مضمون کو کسان نے کاٹ دیا تھا کیا آپ وہ رقعہ مجھے دکھا سکتے ہیں؟" رائے دلیل نے پوچھا۔

"آقا! میرے پاس ایسا کوئی رقعہ نہیں جس کا مضمون کسان نے کاٹا ہو۔ البتہ وہ رقعہ ضرور ہے میرے پاس جس کا مضمون کٹا ہوا نہیں ہے!" یہ کہتے ہی نگر سیٹھ نے رقعہ نکال کر بھرے دربار میں رائے دلیل کے سامنے رکھ دیا۔

مضمون کے کاٹے جانے کا واقعی کوئی نشان نہ تھا۔ لیکن رائے دلیل کو نہ جانے کیوں یہ یقین ہو گیا تھا کہ کسان بے قصور ہے۔

اگلے دن بھی رائے دلیل کو کوئی تدبیر نہ سوجھی۔

آخر رائے دلیل نے سوچنا شروع کیا۔ "کسان نے رقعے پہ سورج کی گواہی کا ذکر کیوں کیا ہے؟ کسی جیتے جاگتے شخص کی گواہی رکھ جاتی تو دربار میں آکر وہ شخص اس کی مدد کرتا! سورج کو کیسے بلایا جائے دربار میں۔"

رائے دلیل سوچتے سوچتے تنگ آگئے۔ آخر چڑکر انھوں نے رقعہ کا رُخ سورج کی طرف کر دیا۔ سورج کی شعاؤں کو انھوں نے رقعے کے آر پار دیکھنے کی کوشش کی۔ شعائیں بھلا رقعے کے آر پار کیسے نکلیں! لیکن اس وقت سورج نے گواہی دے دی۔ کیسی تھی یہ گواہی!

رائے دلیل لمبے قدم بھرتے ہوئے دربار میں پہنچے۔ حاضرینِ دربار اُٹھ کر آداب بجا لائے۔

رائے دلیل نے نگر سیٹھ سے پوچھا۔ "رقعے پر سورج کی گواہی کیوں لکھا ہے!"

"ایسا لکھنا محض ایک دستور ہے۔ اس کا کوئی خاص مطلب نہیں ہوتا" نگر سیٹھ نے جواب دیا۔

"لیکن نگر سیٹھ اس بار سورج نے سچ مچ گواہی دے دی۔ میں آپ کو پانچ سال کی قید بامشقت کی سزا دیتا ہوں۔ آپ نے ایک بھولے بھالے کسان کی خون پسینے کی کمائی ہڑپ کرنی چاہی ہے۔" رائے دلیل نے آنِ واحد میں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کڑک کر کہا۔ "ادھر آیئے! رقعہ ہاتھ میں لیجیے۔ اسے سورج کی طرف اُٹھایئے۔ رقعے کے آر پار سورج کو دیکھنے کی کوشش کیجیے۔ بتایئے کیا نظر آرہا ہے؟"

رائے دلیل کی زبان سے یہ الفاظ سنتے ہی نگر سیٹھ کا رنگ اُڑنے لگا۔

سورج نے ایک دم گواہی دے دی۔ کسان نے مضمون اپنے ہاتھ سے کاٹ تو دیا۔ لیکن کاٹنے کی لکیریں نظر نہیں آتی تھیں۔ نظر تبھی آتیں اگر رقعہ سورج کی طرف اُٹھایا جاتا۔

رائے دلیل کا اشارہ ہوتے ہی نگر سیٹھ کو گرفتار کر لیا گیا۔ رائے دلیل نے کہا۔ "اگر آپ یہ بتا دیں کہ مضمون کو کاٹنے والی لکیریں آپ نے کیسے غائب کیں تو میں آپ کی سزا نرم کر سکتا ہوں۔"

"میں نے کیا طریقہ اپنایا تھا، مہاراج۔ میں سب بتائے دیتا ہوں۔ لیکن میں نے ایک غریب اور بھولے بھالے کسان کو دھوکہ دیا ہے۔ میری سزا کوئی کمی نہ کی جائے۔" نگر سیٹھ نے اقبالِ جرم کرتے ہوئے کہا۔

"بتائیے! کیا تھا وہ طریقہ؟" رائے دلیل نے پوچھا۔

نگر سیٹھ نے یوں بیان کرنا شروع کیا۔

"مہاراج! جب یہ کسان رقعے کا مضمون کاٹنے آیا تو میں نے سیاہی میں ملانے کے لیے باریک شکر پیس کر تیار کر لی تھی۔ میں نے کسان کی آنکھ بچا کر اس گیلی سیاہی میں پسی ہوئی شکر ڈال دی۔ چیونٹیوں نے ساری شکر کھا لی تھی۔ شکر گیلی سیاہی کو چوس چکی تھی۔ جب شکر چیونٹیوں نے کھائی تو اس کے ساتھ ساتھ سیاہی بھی کھا لی۔ اس سے مضمون پر ڈالی گئیں لکیریں اُڑ گئیں۔ لیکن میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ چیونٹیوں نے رقعے کا کاغذ بھی اس طرح

کاٹ ڈالا ہو کہ سارے مضمون پر دھاریاں پڑ گئی ہوں گی۔ یہ دھاریاں
مجھے بھی نظر نہیں آئیں۔ کیوں کہ میں نے رقعے کو سورج کی کرنوں کے سامنے
رکھ کر نہیں دیکھا تھا۔"

نگر سیٹھ سزا بھگتنے کے لیے چلا گیا۔ سب نے رائے دلیل کی انصاف
پروری کی تعریف کے پل باندھ دیئے۔ لیکن رائے دلیل نے کہا: "انصاف
میں نے نہیں، سورج نے کیا ہے۔"

گوا

موسل کے چاول

پرانے زمانے میں کونکن دیس میں بڑے عالم رہا کرتے تھے۔ ایک وقت تھا جب وہاں ودھوراجن نامی ایک شاعر بھی رہا کرتا تھا۔ ایک اچھا شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ دولت مند بھی کافی تھا۔ لیکن ایک بار سیہ یادری دیس کے راجہ نے کونکن پر ایک بھاری فوج لے کر چڑھائی کر دی۔ لڑائی میں کونکن والے ہار گئے۔ ودھوراجن تھا تو ایک دولت مند شاعر لیکن ملک کی آبرو بچانے کی خاطر سپاہی بن کر سیہ یادری فوج سے نبرد آزما ہوا۔ کونکن کی شکست کے بعد وہ بہت دن تک اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ چلتے چلتے تھک کر چور ہو گیا تھا۔ اُسے بھوک بھی بڑے زور سے لگی تھی۔ اور دوسری رات بھی ہونے کو آرہی تھی اسی لیے وہ جلدی جلدی چل کر ایک گاؤں میں پہنچا اور ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ ایک بڑھیا نے دروازہ کھولا۔

وہ مارے بھوک کے بے چین ہو رہا تھا۔ بے چینی کے اس عالم میں ہی

اس نے کہا۔" نانی! بھوک کے مارے مرا جا رہا ہوں۔ تھوڑا سا مانڈ[1] دے دو۔"

بڑھیا بھی بڑی کائیاں تھی اور کنجوس بھی۔ بولی۔" بیٹا! میں بھی کئی دن سے بھوک سے مری جا رہی ہوں۔"

یہ سراسر جھوٹ تھا۔ ودھواراجن شاعر تو تھا ہی۔ اس نے اپنے دل میں بہت سی باتوں کا تصور کر لیا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ گنگناتے ہوئے فیصلہ کیا۔

اس نے بڑھیا سے کہا۔" نانی اگر کلہاڑی ہوتی تو کچھ نہ کچھ پکایا ہی جا سکتا تھا!"

" کلہاڑی! میں نے تو کبھی ایسا نہیں سنا کہ کلہاڑی سے کھانا بھی بن سکتا ہے۔" بڑھیا بے قرار ہو کر بولی۔

" اچھا! نہیں سنا ہو گا۔ اسے رہنے دو۔ لیکن اگر آپ ایک ہنڈیا اور ایک موسل دے دیں تو کمال کر کے دکھا سکتا ہوں۔" ودھواراجن نے کہا۔

بڑھیا دانتوں تلے انگلی دبا کر رہ گئی اور دوسرے ہی لمحہ اس نے موسل اور ہنڈیا ودھواراجن کو تھما دی۔

ودھواراجن نے موسل کو دھو کر ہنڈیا میں رکھا اور اس میں پانی ڈال کر چولھے میں آگ جلا دی۔ تھوڑی دیر میں اس نے اُسے چکھنے کا بہانہ کیا۔ پھر

---

[1] ابلے ہوئے چاولوں کا پانی۔

وہ بڑھیا سے بولا۔ "نانی! اگر آج تھوڑا نمک ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔"

"ٹھہر بیٹا! میں نمک ابھی لائے دیتی ہوں۔" بڑھیا یہ کہہ کر اندر گئی اور نمک لاکر دے دیا۔

ودھوا راجن نے نمک ہانڈی میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا "اب مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ صرف دو مٹھی چاول کی کسر ہے۔!"

"چاول کی کیا بات ہے بیٹا۔ میں ابھی لاتی ہوں۔" بڑھیا یہ کہتے ہوئے اٹھی اور آن واحد میں تھوڑے سے چاول بھی لاکر دے دیئے۔ اس طرح ودھوا راجن نے چاول پکا لیے۔ پھر انھیں چکھ کر کہا۔ "نانی! اب اگر اس میں تھوڑا سا مکھن ڈال دیا جائے تو کیا کہنے۔"

تبھی بڑھیا نے مکھن بھی لاکر دے دیا۔ ودھوا راجن نے پکے ہوئے چاول میں مکھن ڈال دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے چولہے سے ہانڈی اتاری اور بڑھیا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اب انھیں چکھ کر نہ دیکھو گی نانی!"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" بڑھیا نے بڑے شوق سے چاول چکھے اور بولی "کیا بڑھیا چاول پکے ہیں! مجھے معلوم نہ تھا کہ موسل کے چاول اتنے اچھے پک سکتے ہیں۔ تب تو بیٹا کلہاڑی کے چاول تو بہت عمدہ ہوتے ہوں گے۔"

ودھوا راجن چپ چاپ چاول کھانے میں مصروف رہا۔

مدھیہ پردیش

کون سے دن اچھّے

بندھیل کھنڈ کے ایک شہر میں ایک سیٹھ رہا کرتا تھا۔ وہ بہت مالدار تھا اس کی کئی حویلیاں تھیں۔ زمین جائداد تھی ۔ قصہ کوتاہ اس کے گھر کنچن برس رہا تھا۔اس کے چار بیٹے تھے۔ چاروں خوبصورت سجیلے، جوان، عقل مند اور دانا! جب بڑے بیٹے کی شادی ہوئی تو نگر سیٹھ نے دور اندیشی کا امتحان لینے کے لیے اپنی بہو سے ایک سوال پوچھا۔ "بہو یہ بتاؤ کہ کون سے دن اچھے ہوتے ہیں ؟"

بہو نے جواب دیا۔ "پتا جی، گرمی کے دن بہت اچھے ہیں۔ اس وقت نہ سردی کی پریشانی رہتی ہے اور نہ برسات کا کیچڑ۔ دن خس کی ٹٹی میں کٹ جاتا ہے۔ رات کو باہر سو سکتے ہیں۔"

نگر سیٹھ "بہت اچھا" کہہ کر خاموش ہو گیا۔ لیکن جب دوسرے بیٹے کی شادی ہوئی تو بھی اس نے نئی بہو کے سامنے بھی وہی سوال رکھا۔ اس نے

جواب دیا۔" پتاجی! دن تو برسات کے اچھے ہوتے ہیں۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہوتی ہے اور ساون میں جھولے ڈال کر جھولنے کا تو مزا ہی نرالا ہوتا ہے چڑھے ہوئے دریا اور ندی نالے دیکھ کر تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔!"

سیٹھ اس کی یہ بات سن کر خاموش ہو گیا۔ لیکن جب تیسرے بیٹے کی شادی ہوئی تو اس نے اپنی بہو سے بھی یہی سوال کیا۔ اس نے کہا۔" پتاجی! دن تو سردی کے بھلے ہوتے ہیں۔ سردی ہو تو گرم کپڑے پہن کر جہاں چاہے گھومو، پھرو، میٹھی میٹھی دھوپ کے مزے لوٹو اور رات کو گدگدے بستر میں لحاف اوڑھ کر سویا جا سکتا ہے۔ اس لیے سردی کے دن بہت اچھے ہوتے ہیں۔"

نگر سیٹھ بہو کی بات سن کر بھی چپ ہو گیا۔ چند ماہ بعد جب چوتھے بیٹے کی شادی ہوئی اور بہو گھر آئی تو سیٹھ نے یہی سوال چھوٹی بہو سے بھی کیا۔ اس نے بڑی حلیمی اور انکساری سے جواب دیا۔" پتاجی! دن وہی اچھے ہوتے ہیں جو سُکھ سے گزر جائیں۔" چوتھی بہو کا جواب سن کر نگر سیٹھ کا چہرا مسکرا اٹھا۔ وہ خوش ہو کر بولا۔" ہاں، یہ ہوا نا جواب!"

تقدیر کا کھیل بھی عجیب ہوتا ہے کہیں دھوپ ہوتی ہے تو کہیں چھاؤں کہیں عزت آتی ہے تو کہیں تونگری۔ اس طرح سلطانِ آسمانی کے دن بھی آ گئے۔ نہ جانے کس بات پر راجہ کا مزاج برہم ہو گیا اور وہ سیٹھ سے بدظن ہو گیا۔ اس نے اسے شہر چھوڑنے کا حکم دیا۔" نگر سیٹھ جس حالت میں ہو آسے اور اس کے

سارے خاندان کو دیس بدر کر دیا جائے۔ اس کا کوئی بھی بہو بیٹا شہر میں نظر نہ آئے۔"

حاکم نے جاکر نگر سیٹھ کو راجہ کا حکم سنا دیا۔ سب کی تلاشی لی گئی اور گھر سے ایک تنکا تک اٹھانے کا حکم نہ تھا۔ تین کپڑوں کے ساتھ خالی ہاتھ انھیں شہر سے نکل جانا تھا۔

جب سب باہر نکل گئے تو چھوٹی بہو سامنے آئی۔ اُس کے ہاتھ میں ہانڈی تھی۔ اس میں سیر بھر یعنی ایک کلو کے قریب گندھا ہوا آٹا رکھا تھا۔ جب سپاہی نے اس سے ہانڈی چھینی تو اس نے کہا۔ "شریمان جی! میں سب سے چھوٹی بہو ہوں۔ سب سے چھوٹی بہو ہونے کی وجہ سے میں اب تک کھانا نہیں کھا سکی۔ باقی سب کھا چکے ہیں۔ کرپا کر کے یا تو پہلے مجھے کھانا پکا کر کھا لینے دو یا پھر یہ آٹا مجھے ساتھ لے جانے دو۔"

راجہ کا حکم تھا کہ انھیں فوراً شہر بدر کر دیا جائے۔ لہٰذا سپاہی نے بہو کو آٹے کی ہانڈی لے جانے دی۔

نگر سیٹھ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ ایک قافلے کی شکل میں آگے بڑھنے لگا۔ یہ کارواں ایک مقام سے دوسرے مقام پر کوچ کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ راستے میں وہ ایک جگہ سستانے بیٹھ گئے۔ اس وقت دھوپ بہت تیز تھی اور لو کے تھپیڑے جسم کو جھلسائے جا رہے تھے۔ پریشانی کے

عالم میں بڑی بہو کے منہ سے اچانک نکل آیا۔" ہائے! کتنی گرمی ہے! جسم بھنا جارہا ہے۔"

سیٹھ نے بہو کی بات سن کر کہا۔ "تو کیا ہوا! خس کی ٹٹّی کیوں نہیں لگوا لیتیں تاکہ آرام ملے۔"

بہو چڑ کر خاموش ہوگئی۔

چند روز بعد برسات کا موسم آگیا۔ بادل گھر آئے۔ ہوا چلی اور اس کے ساتھ ہی پانی برسنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایسی موسلا دھار جھڑی لگی کہ سب لوگ پناہ لینے بھاگے۔ دوسری بہو اسی جنگل بیاباں میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں آکر بہت دکھی ہوئی۔ سیٹھ سے نہ رہا گیا۔ اس نے اس کی جانب رُخ کرکے آہستہ سے کہا۔ "بہو! آج تو برسات میں جھولے ڈال کر جھولنے میں مزا آجائے گا۔" دوسری بہو جھینپ سی گئی۔

" رات ہوئی۔ پانی تھم گیا۔ لیکن جنگل کے کھلے ماحول کی وجہ سے سردی بڑھ گئی۔ سب کے دانت بجنے لگے۔ تیسری بہو بھی مارے سردی کے ٹھٹھرتی جارہی تھی۔ اُسے ٹھٹھرتے دیکھ کر سیٹھ نے تیر چھوڑا۔ "بہو! گھبراتی کیوں ہو۔ گدگدے بستر میں جاکر لحاف اوڑھ کر کیوں نہیں سو لیتیں۔"

یہ سن کر بہو مارے شرم کے زمین میں گڑ گئی۔

چھوٹی بہو نے کنڈے جلائے اور ساتھ لائے آٹے کی روٹیاں سینک کر

سب کو دیں۔ سب نے دو دو روٹیاں کھا کر پیٹ بھر لیا۔ وہ آٹے میں ایک لعل بھی چھپا کر لائی تھی۔ اس نے اُسے اپنے شوہر کو دیا۔ پھر یوں کہا۔ "قریبی گاؤں میں اسے گروی رکھ کر کچھ روپیہ لے آؤ اور ساتھ ہی گھر کا ضروری سامان بھی خرید لانا۔"

اس کا شوہر گاؤں میں گیا۔ ایک ساہوکار کے پاس لعل بیچ دیا۔ چند سو روپے لے کر ضروری سامان لے کر آ گیا۔ دوسرے دن وہ ایک دوسرے شہر میں پہنچ گئے۔ وہ ایک مندر میں جا کر ٹھہرے سیٹھ نے اس لعل سے کمائے روپے کے ذریعہ اپنا کاروبار شروع کیا۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنا کاروبار پھیلا دیا اور چاروں لڑکے بھی سخت محنت مشقت کرنے لگے۔ آخر چند برس بعد اس نے وہاں اپنی حویلی بنالی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنے نئے شہر کا بھی بڑا سیٹھ بن گیا۔ مگر یہ شہر بھی راجہ کی سلطنت میں شامل تھا۔ راجہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ اس کی حویلی کے گرد چکر لگانے آیا۔ اس نے وہاں کان لگا کر سنا۔ سیٹھ کا بڑا لڑکا کہہ رہا تھا "میرے لیے پان لے کر آؤ۔"

"اتنی رات کو پان کھانے کی کیا تک ہے! چونہ نہیں ہے بہو نے جواب دیا۔ تو کیا ہوا۔ میرے کان کی بالی میں ایک پکا موتی ہے۔ اس کو جلا کر میرا پان لگا دو۔"

جب راجہ نے یہ گفتگو سنی تو وہ دانتوں تلے انگلی دبا کر رہ گیا کہ یہ سیٹھ

کیسا آدمی ہے جو آن کی آن میں اتنا مالدار اور خوش حال ہو گیا۔ علی الصبح ہی راجہ نے سیٹھ کو پکڑوا کر بلوا لیا اور پوچھا۔ "بتاؤ بڑا کون ہے؟ ہم یا تم!"

سیٹھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "بڑے تو آپ ہیں مہاراج! کیا آپ اور کہاں میں ایک معمولی سیٹھ۔"

صاف صاف جواب دو۔ ورنہ تمھیں اور تمھارے خاندان کو بہو بیٹوں سمیت جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔" راجہ نے ڈانٹ کر کہا۔

"جیسا حکم سرکار!" کل آپ کو اس سوال کا جواب مل جائے گا۔" سیٹھ نے جواب دیا۔

سیٹھ نے گھر آ کر ساری بات سنائی تو چھوٹی بہو نے کہا۔ "پتا جی! آپ مہاراج سے کہلوا دیں کہ اس چھوٹے سے سوال کا جواب میں کیا دوں۔ میری چھوٹی بہو دے گی۔ وہ اس کے لیے رنواس بھجوائیں اور لوانے کے لیے پالکی بھیجیں۔ راجہ نے وہی سب کچھ کیا۔ جب لوگ دربار میں پہنچ گئے تو راجہ نے پوچھا "بڑا کون ہے؟ ہم یا تمھارے سسر!"

چھوٹی بہو نے جواب دیا۔ "بڑے آپ ہی ہیں مہاراج! ہم بڑے کیسے ہو سکتے ہیں۔ آپ جیسے بڑے لوگ ہی میرے سسر کی جائداد ضبط کر سکتے ہیں۔ ہم سب کو دیس بدر کر سکتے ہیں اور اپنی ہمت اور محنت سے ہم پھر خوش حال ہو جائیں تو پھر جیل کی ہوا کھلانے کی دھمکی دے سکتے ہیں۔"

راجہ نے بات ٹوکتے ہوئے کہا۔" بڑا وہ کیوں نہیں جو پکا موتی جلا کر اس کی
راکھ سے پان کھانا چاہتا تھا۔"

"یہ تو سب وقت کی بات ہے مہاراج۔ چھوٹی بہو نے جواب دیا۔" ہم
دن کے اچھے گزرنے پر یقین رکھتے ہیں اور ہر دن ایک جیسا مانتے ہیں۔"

یہ جواب سن کر راجہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ انھوں نے فوراً سیٹھ کی ضبط
شدہ ساری جائیداد لوٹا دی۔ اسے دوبارہ شہر میں باعزت واپس بلا لیا۔

منی پور

کھامبا اور تھوبی

ایک بار موراما لیاما اپنے بھائی سے لڑ پڑا۔ وہ کھومن کا سردار تھا۔ لڑنے کے بعد وہ کھومن سے چلا گیا اور مورینگ میں جا بسا۔ اس کا پوتا پورین با اپنی ہمت، دلیری اور طاقت کے لیے مشہور تھا۔ ایک بار مورینگ کا راجہ جب شکار کھیلنے گیا تو اس پر سات شیروں نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں پورین با کے علاوہ اس کے تمام ساتھی بھاگ گئے۔ راجہ کی جان بچانے کے لیے پورین با اکیلا رہ گیا۔ اس نے اپنے نیزے سے ایک ایک کر کے تمام شیروں کو مار ڈالا۔ راجہ اس سے بے حد خوش ہوا۔ اس کے کوئی لڑکی نہ تھی ورنہ وہ اپنے محافظ کو تحفہ کے طور پر دے دیتا۔

کچھ عرصہ بعد پورین با کی بیوی کے ایک لڑکی ہوئی۔ اس کا نام کھامنو رکھا گیا۔ اس کے ایک سال بعد اُن کے یہاں ایک نہایت خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام کھامبا رکھا گیا۔ لیکن بدقسمتی سے کھامبا کی پیدائش کے بعد
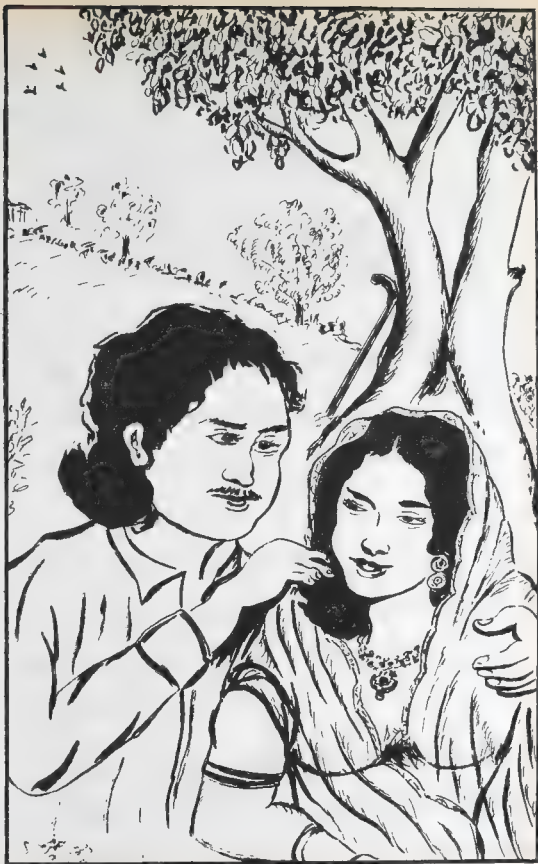
جلد ہی پورین با اور اس کی بیوی دونوں مر گئے۔ اب گھر کی ساری ذمے داری کھامنو کے کندھوں پر آپڑی۔ اپنے چھوٹے بھائی کی پرورش کے لیے اُسے پڑوسیوں کے گھر جاکر کام کرنا پڑتا۔

مورینگ کے راجہ چیکو نیل بابا کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے بھائی چینگ گھوآ کھوبا کے یہاں ایک بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے بھائی کو یوراج کہا جاتا تھا۔ اس کا نام تھوبی تھا۔ راجہ اس کی دیکھ بھال اپنی لڑکی کی طرح کرنے لگا۔ ایک بار مورینگ کے بازار میں کھامنو کی ملاقات تھوبی سے ہوگئی۔ دونوں ہم عمر تھے۔ اس کی لڑکی اور اس کے بھائی کی بپتا سن کر شہزادی کا دل بھر آیا۔ وہ کھامنو کی سہیلی بن گئی اور اس نے اسے تحفے کے طور پر بہت سی چیزیں دے دیں۔

چند روز بعد وہ پھر ملے اس بار تھوبی نے کھامنو سے اس کے ساتھ مچھلیاں پکڑنے کے لیے لوک ٹک جھیل تک ساتھ جانے کی درخواست کی تھوبی کے جھیل پر جانے کی بات سن کر راجہ نے ایک تاریخ مقرر کر کے اعلان کر دیا کہ کوئی بھی شخص اس روز لوک ٹک نہ جائے۔

اپنے مقررہ پروگرام کے مطابق کھامنو اپنے بھائی کو گھر چھوڑ کر شہزادی کے ساتھ جھیل پر چلی گئی۔ کھامبا اس وقت سو رہا تھا۔ اُسے تھانگ جنگ نامی دیوتا خواب میں نظر آیا اور اُسے لوک ٹک جانے کے لیے کہا

جونہی خواب ٹوٹا اور کھامبا نیند سے بیدار ہوا تو وہ سیدھا جھیل کی جانب چل دیا۔ ساحل کے قریب ایک کشتی پہلے ہی تیار کھڑی تھی۔

وہ کشتی میں سوار ہوا اور اُسے کھینا شروع کر دیا۔ اچانک تیز ہوا چلنے لگی اور کشتی ایک جزیرے پاس آ گئی۔ تھوبی اور کھامنو اس وقت مچھلیاں پکڑ رہی تھیں۔ کھامبا اور تھوبی کی نگاہیں اس وقت چار ہوئیں اور دونوں پہلی نظر میں ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے۔ شہزادی کو کھامنو سے معلوم ہوا کہ کھامبا اس کا بھائی ہے۔ فوراً اس کا دل بے چین ہو گیا کہ اگر راجہ کو جھیل پر اس کی موجودگی اور شاہی حکم کی عدولی کا علم ہو گیا تو اسے کڑی سزا ملے گی۔ تھوبی نے اُسے جلدی گھر لوٹ جانے کی ہدایت کر دی۔ لہٰذا وہ اُن کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے گھر لوٹ آیا۔ تھوبی کو ان دو یتیم بھائی بہنوں کی معمولی سی جھونپڑی میں جتنا سکون ملا وہ کبھی اپنے محل میں بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ وہ سیدھی کھامنو اور کھامبا کے موروثی مندر میں گئی اور وہاں جا کر دعا مانگنے لگی ہے بھگوان کھومن لاکپا! مجھے اس گھر میں ایک کونہ دلا دو تاکہ میں زندگی بھر آپ کی پوجا کرتی رہوں۔"

کھامنو نے اس بات کو نہایت غیر سنجیدگی سے لیا اور اس کے ساتھ مذاق کرنے لگی۔ لیکن شہزادی اپنے ارادے پر اٹل تھی۔ اس نے سونے کی اپنی چوڑیاں پانی میں پھینک دیں اور وہیں قسم کھائی کہ وہ کھامبا کے سوا کسی

اور سے کبھی پیار نہیں کرے گی۔

جوں جوں کھامبا بڑا ہوتا گیا وہ اپنے باپ کی طرح ہی تنومند اور دلیر ہوا۔ اس نے پہلوانی اور دوڑوں کے مقابلوں میں سب کو پچھاڑ دیا۔ مگر تھوبی کی خاطر اسے کئی امتحانوں سے گزرنا پڑا۔ علاقے کا ایک نامور پہلوان کونگ یامبا راجہ کی نگاہوں میں بہت چڑھا ہوا تھا۔ وہ محبت کے معاملے میں کھامبا کا رقیب بن گیا۔

ایک روز کونگ یامبا نے کھومن کی خواتین سے سنا کہ دو دریاؤں آئی کوپ اور وے تھاڈ کے ایک درمیانی علاقے میں ایک جنگل کے سانڈ نے قیامت برپا کر رکھی ہے۔ اس نے فوراً کھامبا کو تباہ کرنے کی چال چلی۔ وہ سیدھا مہاراج کے پاس گیا اور کہنے لگا۔" مہاراج! بھگوان تھانگ چنگ نے مجھے خواب میں بتایا ہے کہ اگر آئی کوپ اور وے تھاڈ دریاؤں کے درمیانی علاقے میں گھومتے جنگلی سانڈ کا گوشت انھیں بھینٹ چڑھایا جائے تو وہ بہت خوش ہوں گے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے جھونٹ موٹ یہ بھی کہہ دیا۔" مہاراج کھامبا وہاں جاکر سانڈ کو زندہ پکڑ لانے کے لیے بہت بے چین ہے۔ وہ تو صرف آپ کے حکم کا منتظر ہے۔"

کونگ یامبا کی چال یہی تھی کہ راجہ کھامبا کو سانڈ کو زندہ پکڑ لانے کو کہے گا اور اس کوشش میں وہ یقیناً موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ راجہ نے فوراً کھامبا کو دربار میں طلب کیا اور وہ ذمے داری سونپ دی۔ کھامبا کو یہ سمجھنے میں

دیری نہ لگی کہ یہ چال کونگ یامبا کی ہے۔ وہ خطرے اسے گھبرا کر پیچھے ہٹنے والا شخص نہ تھا۔ راجہ کا حکم سنتے ہی وہ گھر گیا اور وہاں سے سانڈ کو پکڑنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ روانہ ہونے سے پہلے اس کی بہن کھامنو نے اسے بتایا۔ "بھائی! یہ بیل ہمارے پتا کا تھا۔ اگر تم اس کے سامنے پتا کا نام لوگے اور ریشم کی یہ رسی اسے دکھاؤ گے تو وہ تمھیں پہچان لے گا اور تمھارے قابو میں آجائے گا۔"

یہی ہوا کھامبا سانڈ کی پیٹھ پر سوار ہو کر جنگل سے آگیا۔ راجہ بہت خوش ہوا۔ اس نے اُسے بہت بیش قیمت تحفے عطا کیے۔ اس کے بعد تھوبی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دینے کا وعدہ کیا۔ یہ سن کر کونگ یامبا کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا اور اس کا رنگ فق ہوگیا۔

اس واقعے کے بعد ایک روز جب تھوبی کا باپ یوراج اپنی کمان سے نشانہ باندھ رہا تھا کہ کھامبا وہاں آگیا۔ جب راجہ نے دیکھا کہ وہ قمیص پہنے تھا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ اس کی بیٹی تھوبی نے اسے تحفے کے طور پر دی تھی۔ اس نے یہ سوچا کہ اس نے یہ قمیص ضرور اس کے گھر سے چرائی ہوگی۔ یہ خیال آتے ہی وہ اس سے ازحد نفرت کرنے لگا۔ کونگ یامبا بھی وہاں موجود تھا۔ اسے راجہ کے دل کی بات سمجھتے دیر نہ لگی۔ راجہ کا دل جیتنے کے لیے اس نے اس موقعہ سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ راجہ نے اس کی اس خدمت سے بے حد خوش ہو کر تھوبی کی شادی اس کے ساتھ کر دینے کا وعدہ کیا۔

کھامبا کے باپ کا ایک دوست بھی تھا۔ اس کا نام لونگ تھو لبا تھا۔ اُس نے راجہ کو کھامبا کے ساتھ کیا ہوا اس کا وعدہ یاد دلایا۔ لیکن راجہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے فیصلہ پر اڑا رہا۔

جب تھوبی کو معلوم ہوا تو وہ بھی چکر میں پڑ گئی۔ اسے سوجھ نہیں رہا تھا کہ وہ اپنے باپ کا دل کیسے جیتے۔

ایک روز اس نے کھامبا سے کچھ پھل لیے۔ یہ بہت میٹھے تھے۔ یوراج جب شکار سے لوٹا تو اس نے وہ پھل اسے پیش کر دیئے۔ انھیں کھا کر جب یوراج بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنی بیٹی سے پوچھا۔ "تم نے یہ پھل کہاں سے لیے۔"

"آپ کے داماد نے آپ کے لیے بھیجے تھے۔" تھوبی نے اسی انداز سے جواب دیا گویا اُسے اپنے باپ کی ناراضگی کا کوئی علم ہی نہ ہو۔

یوراج کھامبا کا نام سنتے ہی آگ بگولا ہو اٹھا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ تھوبی کو دھڑا دھڑ پیٹنے لگا۔ تھوبی مار کھانے کے بعد بے ہوش ہوگئی۔

کئی گھنٹے گزر گئے مگر اسے ہوش نہ آیا۔ اس دوران یوراج کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو ہوش میں لانے کی کئی ترکیبیں کیں مگر سب بے کار ثابت ہوئیں۔ پھر اسے آخری تدبیر سوجھی۔ اس نے اپنا منہ اس کے کان کے قریب لے جا کر کہا۔ "تھوبی! اٹھو میں تمھارا ہاتھ کھامبا کے ہاتھ میں تھام دوں گا۔" کھامبا کا نام سنتے ہی اُسے فوراً ہوش آگیا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد کونگ یامبا کے آدمیوں نے کھامبا کو پکڑ کر خوب پیٹا۔ پھر یوراج کے اشارے پر اس کے ہاتھ اور پاؤں ایک ہاتھی کی ٹانگ سے باندھ دیئے گئے اور اُسے کچھ دیر کے لیے سڑک پر گھسیٹا گیا۔ کھامبا بے جان سا ہوگیا۔ اس کے دشمنوں نے اسے مردہ سمجھ کر ایک گھنے جنگل میں پھینک دیا۔ دیوی یالی تھوبی کو خواب میں نظر آئی اور اُسے کھامبا پر گزرے مظالم کی تفصیل بیان کی اور اس کی حالت کے متعلق بھی بتایا کہ وہ جنگل میں پڑا ہے۔

وہ فوراً نیند سے جاگی اور اسی جنگل میں کھامبا کے پاس چلی گئی۔ اُس نے اس کے ہاتھوں کی رسیاں کھول دیں اور بڑی احتیاط سے اس کے زخم دھوئے اور اس کی تیمار داری کی۔ جس کے نتیجے میں اُسے ہوش آگیا۔

کھامبا پر توڑے اس انسانیت سوز ظلم کی بات سن کر اس کے بہی خواہ تونگ تھالیا سے کڑا احتجاج کیا۔ اُس نے راجہ کی توجہ اس جانب دلائی۔ راجہ نے یوراج کو جیل میں ڈال دیا۔ لیکن یوراج کے فیصلہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ تھوبی کا شدید مخالف ہوگیا۔ اپنی رہائی کے فوراً بعد اُس نے تھوبی کو دیس نکالا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ روانگی سے قبل تھوبی اور کھامبا ملے اور اس نے کہا: "تم مجھے کہیں بھول نہ جانا۔ میرے خیال میں یہ ہماری مصیبت کی آخری گھڑی ہوگی۔ اس کے بعد ہم پھر ملیں گے۔"

یوراج کے فیصلے کے خلاف آواز اُٹھانے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ سب

کے چہرے اتر گئے۔ عورتیں دہاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ سسکیوں کے دوران ساری عورتوں کی چہیتی راج کماری تھوبی جنگلوں کی جانب روانہ ہو گئی۔ آہستہ آہستہ اس کے تمام عزیز و اقارب اور ہر دل عزیز احباب نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

راجکماری تھوبی نازوں کی پلی تھی۔ وہ زیادہ چلنے کی عادی بھی نہ تھی۔ کافی دیر تک لمبے راستے پر چلتے چلتے وہ تھک گئی تھی۔ وہ آرام کرنے کے لیے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ اسی دوران کھامبا بھی وہاں آ پہنچا۔ دونوں عاشق اور محبوب بچھڑنے سے قبل آخری بار آپس میں ملے۔ یہ ایک رقت انگیز منظر تھا ان کے دلوں میں غم واندوہ کا طوفان امڈ اٹھا تھا۔ ان کی آنکھوں سے اب ساون بھادوں کی جھڑی جاری تھی۔ کھامبا نے اپنی محبوبہ تھوبی کو ایک چھڑی پیش کی تاکہ اونچے اونچے پہاڑوں کو عبور کرنے میں آسانی ہو۔ تھوبی نے اُسے قبول تو کر لیا۔ لیکن وہ اُسے اپنے ساتھ نہ لے گئی۔ اُس نے اُسے زمین میں ہی گاڑ دیا اور کہا "یہ ہمارے پیار کی نشانی ہے۔ اگر ہمارا پیار سچا ہو گا تو اس سوکھی چھڑی پر خوبصورت پھول اور سبز پتے اُگ آئیں گے۔ اور یہ سرسبز ہو جائے گی۔"

یوراج کے آدمی تھوبی کو گاموں میں لے آئے اور اسے ایک شخص کا یا کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ وہ جنگلوں سے لکڑیاں اکٹھی کرنے اور مچھلیاں بیچنے لگی دن تو اس گہما گہمی میں گزر جاتا مگر جونہی رات ہوتی اسے اپنے والدین رشتہ دار

اور سکھی سہیلیوں اور خصوصاً کھامبا کی یاد آجاتی اور اس کے ساتھ ہی اُس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور اس کا دل بے چین ہو جاتا۔ اس کی آنکھوں سے نیند اڑ جاتی اور آنسوؤں کی گنگا جمنا بہنے لگتی۔ لیکن پھر بھی اس کے دل کو سکون نہ ملتا۔ اگلے روز معمول کے مطابق اور بوجھل دل کے ساتھ وہ اپنے روزمرہ کے معمول میں مصروف ہو جاتی۔

چند دن بعد یوراج کو ہوش آیا اور اسے اپنی بیٹی کی پریشانی کا احساس ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کا دل موم ہو گیا۔ اُس کے آدمی اُسے واپس لانے گئے۔ کونگ یامبا نے اس کے استقبال کے لیے اپنے گھوڑے پر طویل سفر طے کیا۔ سب سے پہلے اس کا استقبال کرنے کا شرف اسی کو حاصل ہوا۔ وہ مارے خوشی کے اپنے جامے میں پھولا نہ سما رہا تھا۔ تھوبی نے اُس سے گھوڑا حاصل کرنے کا یہ موزوں ترین موقعہ سمجھا۔ اس نے اپنی میٹھی میٹھی اور چکنی چپڑی باتوں سے رام کر لیا۔ کونگ یامبا کو اس کی نیت پر رتی برابر بھی شک نہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے گھوڑے کی باگ تھوبی کے ہاتھ میں تھما دی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھی کھامبا کے گھر گئی تو کونگ یامبا کی مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اگلے روز ایک بوڑھا دربار میں آیا اور یہ اطلاع دی کہ ایک بہت بڑے شیر نے اس کے گھر کے قریب اودھم مچا رکھا ہے۔ راجہ نے اعلان کر دیا

کہ جو اس شیر کو مار ڈالے گا اس کی شادی تھوبی سے کر دی جائے گی۔ یہ سن کر
کھامبا اور کونگ یامبا دونوں میدان میں اُتر آئے۔ انھوں نے اپنے نیزے ایک ساتھ
تان لیے۔ دونوں کے وار خالی گئے اور شیر فوراً کونگ یامبا پر جھپٹا اور آن واحد
میں اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ کھامبا نے ایک اور نیزہ پھینکا۔ اس
بار نشانہ صحیح لگا۔ زخمی شیر جنگل کی طرف بھاگا۔ کھامبا نے اس کا پیچھا کیا اور
ایک اور نیزہ اس کی جانب پھینکا۔ یہ نشانہ بھی صحیح بیٹھا اور اس بار شیر زمین پر
ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد کھامبا شیر کی لاش کو اپنے کندھے پر رکھ کر جنگل سے
باہر آگیا اور راجہ کے دربار میں جا کر یہ خوش خبری سنائی۔ راجہ اُس سے بے حد
خوش ہوا اور اُسے بہت سے بیش قیمت اشیاء تحفے کے طور پر عطا کیں۔ اُن میں
کھاری بادلیاں بھی تھیں۔

اب کھامبا کے دن پھر چکے تھے۔ اس نے اپنی بہن کھامنو کا ہاتھ ایک موزوں
شخص کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس کی اپنی شادی بھی تھوبی کے ساتھ بڑی دھوم دھام
سے ہوئی۔ تھوبی کھامبا کے گھر آگئی اور وہ دونوں ہنسی خوشی اپنے دن گزارنے لگے۔

لیکن قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ انھیں مسرت کے دن زیادہ نصیب
نہ ہوئے۔ کھامبا کو اچانک تھوبی کی محبت پر شک ہو گیا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے
لیے اس نے اس کا امتحان لینے کی ٹھانی۔ ایک رات اُس نے اسے بتائے بغیر
ایک چھڑی باہر سے لا کر تھوبی کے گھر کے باہر گاڑ دی۔ کہ اگر وہ بے وفا نکلی تو

وہ اس اشارے کے ساتھ ہی بڑی آسانی سے اپنے گھر سے باہر آجائے گی اور باہر منتظر شخص کے ساتھ اپنی ہوس پوری کرے گی۔ وہ اس انتظار میں باہر کھڑا ہو گیا۔ باہر اندھیرا گھپ تھا۔ تھوبی کسی کام سے باہر آئی۔ اُس نے محسوس کیا کہ کسی نے اُس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی ہے۔ تھوبی کو کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کون ہے وہ اپنی زبان سے کچھ نہ بولا۔ تھوبی یہ چھیڑ چھاڑ قطعاً برداشت نہ کر سکی۔ وہ اندر گئی اور کھامبا کے طاق میں سے نیزہ اُٹھایا اور غصے کے عالم میں نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ نیزہ اندر سے باہر پھینکا۔ نیزہ دیوار کو چیرتا ہوا باہر کھڑے شخص کے سینے کے پار ہو گیا۔ تبھی تھوبی کو کھامبا کی دردناک چیخ سنائی دی۔ "تھوبی! تھوبی! میں مرا۔"

تھوبی کھامبا کی آواز سن کر پریشان ہو اُٹھی۔ وہ دیا لے کر باہر آئی کیا دیکھا کہ زمین پر کھامبا خون میں لت پت پڑا تڑپ رہا تھا اور نیزہ اس کے سینے میں پیوست تھا۔ تھوبی گھبرا گئی۔ گھبراہٹ کے عالم میں اُسے کچھ سجھائی نہ دیا۔ اس نے تبھی آہستہ سے نیزہ اپنے پیارے کھامبا کے سینے سے نکالا اور اُسے اپنے سینے میں گھونپ لیا اور اس کے ساتھ ہی شک وشبہات اور غم و اندوہ کے بادل چھٹ چکے تھے۔ موت نے ان دونوں کو اپنی آغوش میں سلا لیا تھا اور اب اُن پر ابدی سکون کی کیفیت طاری تھی۔

مہاراشٹر

نل اور نیل

سات سمندر پار ایک بہت بڑا شہر تھا۔ وہاں ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی دو رانیاں تھیں۔ ایک کو تو وہ بہت چاہتا تھا۔ لیکن دوسری سے پیار نہ تھا۔ کیونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک دن مندر میں بھگوان کے درشن کرنے کے لیے جاتے وقت راستے میں اس کی ملاقات ایک سادھو سے ہو گئی۔ اس نے اس سادھو سے پوچھا۔ "مہاراج میں اولاد چاہتا ہوں۔ اس کے لیے کیا جتن کروں کہ میرے خاندان کا سلسلہ چلتا رہے اور روایت برقرار رہے اس کے لیے ایک لڑکا تو چاہیے ہی۔"

"کچھ نہیں۔ اس پہاڑی پر جا کر بھگوان شنکر کی پوجا اور سچے دل سے پرارتھنا کرو اور اسے رجھا دے۔ اس کے خوش ہوتے ہی اولاد کا بر مانگ لے" سادھو نے کہا اور یہ کہتے ہی وہاں سے چلا گیا۔

دوسرے دن علی الصبح شبھ مہورت پر راجہ نے پہاڑ پر جا کر بھگوان شنکر
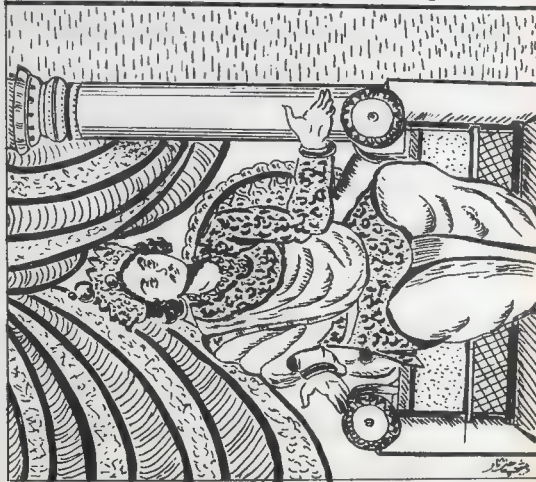
عبادت کرنی شروع کی۔ اس نے کڑی ریاضت کی اور یہ طے کر لیا کہ جب تک بھگوان شنکر خوش نہیں ہوتے میں پانی تک نہیں پیوں گا۔ اس طرح پانچ چھ روز گزر گئے۔ ایک آدھی رات کو بھگوان شنکر نمودار ہوئے۔ وہ راجہ سے بہت خوش تھے۔ انھوں نے اس کی خواہش کے مطابق بردان دے دیا۔ اسے یقین دلانے کے لیے شیوجی نے اس وقت دو آم راجہ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔" بیٹا! انھیں گھر لے جا کر مہارانی کو دے دینا۔ ان کا رس نکلوا کر دونوں پینا۔" دیر نہ کرنا۔" اتنا کہتے ہی وشنوجی دوبارہ غائب ہو گئے۔

راجہ فوراً اپنی پہلی رانی کے پاس پہنچا۔ وہ اس کی چہیتی تھی۔ وہ دونوں آم رانی کو دے کر خود نہانے چلا گیا۔ اس رانی کو بھگوان پر عقیدت نہ تھی۔ اس نے وہ دونوں آم الگ رکھ دیئے اور ان کے بجائے بازار سے منگائے گئے عمدہ قلمی آموں کا رس نکالا اور پھر دونوں نے اسے بخوشی پی لیا۔

یہ بات کسی نہ کسی طرح دوسری رانی کو بھی معلوم ہو گئی۔ وہ بڑی رانی سے ملنے گئی۔ وہ شیوجی کے دیئے آم پھینکنے لگی تھی کہ دوسری رانی نے اس سے لے لیے اور اپنے گھر چلی آئی۔ راجہ کا وزیر دوسری رانی کا بھائی تھا۔ رانی نے اپنے بھائی کو اپنے گھر بلایا اور اس سے کہا کہ کسی نہ کسی طرح تم راجہ کو میرے محل میں بلاؤ۔ لیکن اس کا علم بڑی رانی کو قطعاً نہ ہو۔

وزیر شہر آکر راجہ سے ملا اور اس نے راجہ سے صرف اتنا ہی کہا۔

کل میرے ہی گھر کھانا کھایئے۔ اس کی یہ دلی خواہش ہے اور رات بھی وہیں گزاریئے۔"
راجہ نے وزیر کی بات پر حامی بھر لی۔

راجہ چپکے سے دوسری رانی کے محل میں آگیا۔ بڑی رانی کو اس کی کان و کان خبر نہ ہوئی۔ رانی نے آم کا رس نکالا اور دونوں نے مل کر پیا۔ راجہ نے رات دوسری رانی کے محل میں گزار دی۔ وزیر بھی وہیں محل میں سو رہا۔ راجہ اور وزیر دونوں صبح ہوتے ہی راج محل میں لوٹ آئے۔

چند ماہ بعد دوسری رانی نے جڑواں بچوں کو جنم دیا۔ دونوں ہی لڑکے تھے۔ لیکن بڑی رانی کو اس کی قطعاً خبر نہ ہوئی۔ دونوں لڑکے بے حد خوبصورت تھے۔ ان کے چہرے نورانی تھے۔ جب وہ بڑے ہوئے تو گیند کھیلنے لگے۔

ایک روز دونوں لڑکے کھیلتے کھیلتے رانی کے یہاں چلے گئے۔ اس کا گھر کافی دور تھا۔ اس نے دو انجان لڑکوں کو دیکھا تو اُن کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کے لیے اپنی کنیز کو بھیجا۔ پوچھ تاچھ کے بعد اس نے رانی کو بتایا کہ وہ آپ کی سوت کے لڑکے ہیں۔ یہ سن کر رانی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

اس کے بعد رانی نے کافی غور وخوض کے بعد اپنی تمام لونڈیاں کو بلا کر کہا کہ جیسے بھی ہو ان کی گیند مجھے لا کر دو۔ لڑکے باہر گیند تو کھیل ہی رہے تھے جونہی گیند ہوا میں اچھلی ایک لونڈی نے فوراً اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا

اور آن واحد میں گیند رانی کے ہاتھ آگئی۔ یہ لڑکے گیند مانگنے رانی کے پاس گئے رانی تو پہلے ہی راہ دیکھ رہی تھی۔ ان لڑکوں نے جب رانی سے گیند مانگی تو رانی نے کہا۔ "مجھے پہلے اس کھمبے سے باندھ کر چابکوں سے مارو۔ گیند پھر تمھیں ملے گی۔"

لڑکے بھولے بھالے اور معصوم تھے۔ انھیں اس کا تریا چرتر کیا معلوم! انھوں نے رانی سے الٹا کہا، تکرار کی۔ مگر رانی اپنی ضد پہ اڑی رہی۔ آخر تنگ آکر لڑکوں نے رانی کو کھمبے سے باندھ دیا اور اسے چابکوں سے خوب مارا۔ اس کے بعد وہ گیند لے کر وہاں سے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی رانی نے اپنی رسیاں کھلوائیں اور اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ گئی اور راجہ کو بلایا۔ راجہ فوراً چلا آیا۔ اس نے راجہ کے آتے ہی اپنی پیٹھ پر پڑے چابک کے نشان دکھائے۔

راجہ کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ جب اس نے یہ پوچھا کہ یہ ذلیل حرکت کس نے کی ہے تو اس نے کہا، آپ ہی کے نونہالوں کی کرتوت ہے۔ راجہ کا پارہ ایک دم گرم ہو گیا۔ اگلے دن راجہ نے اپنے وزیر کو طلب کیا اور یہ کڑا حکم سنا دیا۔ "ان دونوں لڑکوں کو اسی وقت جنگل میں لے جاؤ اور ان کے سر اتار کر مجھے لاکر دکھاؤ، ورنہ تمھارا سر قلم کر دیا جائے گا۔"

راجہ کے حکم کے مطابق وزیر ان دونوں لڑکوں کو بہلا پھسلا کر جنگل میں لے گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے راجہ کا حکم سنا دیا۔ اس پر دونوں لڑکے

بولے ہم نے کوئی قصور نہیں کیا ہے۔ اگر پھر بھی مہاراج ہمیں مروانا چاہتے ہیں تو ہم مرنے کو تیار ہیں۔ لیکن آپ ہمیں ایک ساتھ ماریئے۔ کیوں ہم سے ایک دوسرے کا دکھ نہیں دیکھا جائے گا۔"

وزیر غور و فکر میں ڈوب گیا۔ آخر وہ انھیں اس جنگل میں چھوڑ گیا اور خود ایک قریبی شہر میں چلا گیا۔ وہاں اُس نے ایک ہوشیار کاریگر سے ایک دم انسانی شکل جیسے دو سر بنوانے کو کہا اور یہ بھی انتظام کیا کہ گردنوں سے خون کی بوندیں ٹپکتی نظر آئیں۔ کاریگر نے اپنی ہوشیاری دکھائی۔ وزیر نے اُسے مُنہ مانگے دام دیئے اور انعام بھی۔

وزیر ان مصنوعی سروں کو لے کر راجہ کے دربار میں پہنچا۔ اس نے دور ہی سے راجہ کو سر دکھائے۔ چہیتی رانی نے بھی سر دیکھ لیے۔ راجہ اور رانی دونوں کو دور سے وہ سچ مچ کے سر نظر آئے۔ دونوں ہی وزیر کی اس خدمت پر بہت خوش ہوئے۔

اور شہزادے گھومتے گھامتے ایک تالاب کے کنارے پہنچے۔ اُن کے گھوڑے بری طرح تھک چکے تھے۔ لہٰذا اُنھیں چھوڑ دیا۔ دونوں شہزادے بھی بہت تھکے ہوئے تھے۔ چھوٹا بھائی آدھی رات تک بیٹھا جاگتا رہا۔ اور بڑا بھائی سو گیا۔ تبھی اُس تالاب سے ایک موٹا سا مینڈک نکلا اور کنارے پر آکر ٹرانے لگا۔ جس درخت کے نیچے یہ لڑکے آرام کر رہے

اس پر دو پرندے بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ جو کوئی اس مینڈک کو مارے گا آسے اس کے پیٹ میں سے تین لعل ملیں گے۔ چھوٹا بھائی پرندوں کی بولی سمجھتا تھا۔ پرندوں نے مینڈک کی بات بتادی۔ تبھی مینڈک بھی بولنے لگا۔ "جو شخص ان دونوں پرندوں میں سے نر پرندے کا گوشت کھائے گا اسے بارہ سال تک جنگلوں کی خاک چھاننا پڑے گی۔ اور جو مادہ پرندے کا گوشت کھائے گا آسے راج ملے گا۔"

شہزادے نے اس کی بات بھی سمجھ لی۔ وہ جلدی سے درخت پر چڑھا اور اس نے دونوں پرندوں کو مار ڈالا۔ آگ تو جل ہی رہی تھی۔ آس نے جھٹ پٹ نر پرندے کا گوشت بھون کر خود کھالیا اور مادہ پرندے کا گوشت اپنے بڑے بھائی کے لیے رکھ لیا۔ اس کے بعد اس نے مینڈک کو مار ڈالا اور اس کا پیٹ چیر کر اس میں سے تینوں لعل نکال لیے۔ آس نے انھیں ایک کپڑے میں باندھا اور سو گیا۔

جب بڑا بھائی سو کر اُٹھا تو اسے بھوک لگی تھی۔ ادھر اُدھر دیکھنے پر اسے گوشت دکھائی دیا۔ اس نے درخت کی ٹہنیاں توڑیں۔ گھاس پھوس اور پتے اکٹھے کیے آگ جلائی اور آسے بھون کر کھا گیا۔ پانی پینے کے بعد وہ کچھ دیر پہرہ دیتا رہا۔ پھر اس نے سوچا کہ چھوٹے بھائی کے کھانے کے لیے کچھ چاہیے۔ لہٰذا کوئی شکار مار کر لانا چاہیے۔ یہ سوچتے ہی وہ گھوڑے پر

بیٹھ کر بہت دور تک نکل گیا۔ لیکن اسے کوئی شکار نہیں ملا۔ صبح ہوتے ہوتے وہ ایک شہر میں جا نکلا۔ وہاں کے کوتوال نے اُسے پکڑ لیا۔

در اصل اس شہر کا راجہ مر گیا تھا اور تمام وزیروں اور درباریوں نے یہ طے کیا تھا کہ اس روز جو پہلا شخص شہر میں داخل ہو گا، اُسے پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا جائے گا۔ کوتوال شہزادے کو دربار میں لے آیا۔ وہاں مختلف ملکوں کے راجہ، سردار اور دیگر امیر وزیر اور درباری جمع تھے۔ ایک ہاتھی کو سجا کر اس کی سونڈ میں پھولوں کا بڑا سا ہار رکھا گیا۔ ہاتھی وہ ہار لے کر بہت دیر تک گھومتا رہا۔ آخر وہ گھومتا گھومتا شہزادے کے قریب بھی آ گیا۔ اور دوسرے ہی لمحے اس نے ہار اس کے گلے میں ڈال دیا۔ سب لوگ خوش ہو گئے۔ بڑے شادیانے بجنے لگے۔ آخر شہزادے کو اس وقت دھوم دھام کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا۔ اس طرح شہزادہ راجہ بن گیا اور اپنے دن سُکھ چین سے گزارنے لگا۔

چند سال گزر جانے کے بعد اس کی شادی ایک خوبصورت شہزادی سے ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ عیش و عشرت میں اتنا ڈوب گیا کہ حکومت کے کام کاج اور عدل و انصاف جیسے اہم معاملات سے اس کی توجہ ہٹ گئی۔

ادھر شہزادے چھوٹے نے صبح اُٹھ کر تالاب سے ہاتھ مُنہ دھویا اور

اپنے گھوڑے پر چڑھ دوسرے بھائی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ تلاش کرتے کرتے وہ بھی اسی شہر میں جا پہنچا۔

جب سپاہیوں نے اس کے پاس بھی ایک ہی طرح کا گھوڑا دیکھا تو انھیں شک ہو گیا۔ وہ اُسے پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے۔ کوتوال نے اسے وزیر کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے جرم ماننے سے سراسر انکار کر دیا۔ جب اس نے کسی طور پر جھوٹا الزام اپنے سر لینے پر آمادگی ظاہر نہ کی تو اُسے خوب مارا پیٹا گیا۔ آخر راجہ کے اہلکاروں نے گھوڑے کے ساتھ اُسے بھی اصطبل میں باندھ دیا۔

راجہ عیاش تو ہو ہی چکا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے چھوٹے بھائی کی کوئی سدھ نہ لی۔ چند ماہ بعد اس کی رانی نے نورتن کا چندر ہار منگانے کی فرمائش کی۔ آخر یہ فرمائش ضد کی شکل اختیار کر گئی۔ راجہ نے شاہی جوہری کو بلایا اور نورتن کا چندر ہار لانے کو کہا۔ جوہری کے پاس رتن نہیں تھے۔ اس لیے اس نے جواب دیا۔ "مہاراج میرے پاس تو رتن نہیں ہیں۔ میں رتن کہاں سے لاؤں۔ آپ جتنی دولت چاہیں بطور نذرانہ لے لیجیے۔ میرے پاس تو ایک بھی لعل نہیں ہے۔"

اس دوران چھوٹے شہزادے کو اصطبل سے نکال کر جیل میں بھیج دیا گیا تھا۔ راجہ نے جوہری کو بھی گرفتار کرنے کا حکم دے دیا اور اُسے

اسی قید خانے میں ڈال دیا جہاں شہزادہ بند تھا۔ آخر جوہری اور شہزادے میں دوستی ہوگئی۔ شہزادے نے جوہری کو بتایا کہ میرے پاس تین لعل ہیں اگر یہ لعل راجہ کو دے کر چھٹکارا مل سکتا ہے تو رہائی کی کوشش کرنی چاہیئے۔

جوہری نے ایک سپاہی سے کہا کہ داروغۂ جیل کو بلاؤ۔ جب داروغۂ جیل آیا تو جوہری نے اسے ساری بات بتا دی۔ داروغۂ جیل نے راجہ کو جاکر بتا دیا۔ اس دوران جوہری نے شہزادے سے تینوں لعل لے لیے۔ آخر جوہری کو راجہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے تینوں لعل راجہ کے حوالے کر دیئے۔ لیکن جوہری کو شہزادے کی کوئی فکر نہ ہوئی۔

راجہ نے جوہری کو باقی چھ رتن لانے کو کہا۔ دو روز ہی میں اسے رہا کر دیئے جانے کا حکم دے دیا گیا جوہری جانے کیلیے تیار ہوگیا۔ راجہ نے اس کے لیے ایک خوبصورت اور مشہور جہاز بنوایا۔ نئے جہاز کو پانی میں چھوڑنے کے لیے کسی شخص کی قربانی دینی ضروری تھی۔ راجہ نے قید خانے میں بند شہزادے کی قربانی دینے کا فیصلہ کیا۔ آخر اس شہزادے کو خوب سجا سنوار کر مذہبی رسوم ادا کرتے کے بعد ساحل پر لایا گیا۔ جونہی شہزادے کو بلی کے لیے تیار کیا گیا۔ جہاز نے خود بخود چلنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر راجہ نے اس کی قربانی کا حکم فوراً منسوخ کر دیا۔ تبھی جوہری نے راجہ سے کہا کہ میں اس قیدی لڑکے کو بھی اپنے ساتھ بحیثیت معاون لے جانا چاہتا ہوں۔

راجہ نے اس کی یہ درخواست قبول کر لی اور شہزادے کو جوہری کے ساتھ روانہ کر دیا۔

چند ماہ تک جہاز سمندر پر چلتا رہا۔ آخر وہ ایک ساحل پر آکر رُکا۔ وہ لوگ ایک نئے دیش میں آپہنچے تھے۔ جوہری جہاز سے اُتر کر اور شہر میں آگیا۔ وہاں رتنوں کی زبردست تجارت ہوتی تھی۔ وہ بھی اس کاروبار میں مصروف ہو گیا اور اس طرح اسے وہاں کئی سال گزر گئے۔

ایک روز شام کے وقت جوہری کا معاون یعنی شہزادہ گانا گانے لگا۔ اس کے گاتے ہی شہر کے تمام چراغ خود بخود جل اُٹھے۔ اس شہر کی راجکماری نے یہ تہیّہ کر رکھا تھا کہ جس شخص کو دیپک راگ آتا ہوگا میں اُسی سے شادی کروں گی۔ اس نے جب بجھے چراغوں کو خود بخود جلتے دیکھا تو اپنی کنیز سے کہا کہ گویّے کا پتہ لگائے کہ وہ کون ہے، کہاں ہے اور کس جگہ سے آیا ہے۔ کنیز سب جگہ تلاش کرتی ہوئی آخر جوہری کے پاس آئی۔ اُس نے کہہ دیا کہ دیپک راگ میں نے گایا تھا۔ وہ اُسے اپنے ساتھ محل میں لے گئی۔

راج کماری نے اس سے سوال کیا: "کیا تمھیں دیپک راگ آتا ہے؟" اُس نے وہاں بھی یہی جواب دیا۔ "ہاں راج کماری جی میں دیپک راگ گا سکتا ہوں۔"

کہنے کو تو اس نے کہہ دیا۔ راج کماری نے اُسے گانے کے لیے کہا اور محل کے تمام چراغ بجھا دیئے۔ جوہری مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق گانا گانے لگا۔ لیکن بجھے چراغ نہ جلے۔ شہزادی نے اُسے وہاں سے دھکے دے کر باہر نکلوا دیا۔ اور کنیز کو پھر دیپک راگ گانے والے گویّے کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ کنیز اِدھر اُدھر گھوم پھر کر تلاش کرنے لگی۔ آخر اُسے جوہری کا معاون مِل گیا۔ وہ جنگل میں بیٹھا گانا گا رہا تھا۔ اُسے احساس ہو گیا کہ یہی شخص ہے جو دیپک راگ گانا جانتا ہے۔ وہ اُس سے پوچھنے لگی کیا تم دیپک راگ گا سکتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں؟" اس نے جواب دیا۔

"تو چلو میرے ساتھ۔" یہ کہہ کر کنیز اس کو پکڑ کر محل میں لے آئی۔ محل میں شہزادی نے بھی اس سے سوال کیا۔ "کیا تم دیپک راگ گانا جانتے ہو؟"

"ہاں مہارانی جی۔" اس نے جواب دیا۔

"تو گاؤ۔" شہزادی بولی۔ اُس کے ساتھ ہی محل کے تمام چراغ بجھا دیئے گئے۔ جونہی شہزادے کا گانا ختم ہوا۔ بجھے ہوئے چراغ خود بخود جل اُٹھے۔ راج کماری کو شہزادے پر یقین آ گیا اور وعدے کے مطابق اُس کے ساتھ شادی کر لی۔ لیکن شہزادہ اس کے پاس رہنے کے لیے قطعاً آمادہ نہ ہوا۔

اُدھر جوہری راج کماری کی طرف سے کی گئی توہین پر جلا بھنا جا رہا تھا۔

اور بدلہ لینے کی تاک میں تھا۔ شادی کے چند ماہ بعد ایک روز اچانک جوہری نے اپنے وطن لوٹ جانے کا ارادہ کر لیا اور اپنے معاون یعنی شہزادے کو بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ اُدھر شہزادے نے راج کماری سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ راج کماری اپنے شوہر کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئی اور وہ جہاز میں سوار ہو گئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اُسے یہ احساس ہو گیا کہ اچانک جوہری کو وطن جانے کا خیال کیسے آ گیا۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ ممکن ہے اس کے دل میں کوئی کھوٹ ہو۔ یہ سوچتے ہی اس نے ایک گھڑا یعنی سوکھا ہوا کدو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ سفر کے دوران ایک دن شہزادہ جھک کر پانی کا نظارہ کر رہا تھا۔ جوہری نے اُسے دھکا دے کر سمندر میں گرا دیا۔

راجکماری بے اختیار رونے چلّانے لگی۔ لیکن اس نے اپنے ہوش و حواس باختہ نہ کیے اور وہ گھڑا اس وقت اس نے پانی میں پھینک دیا۔ وہ چند روز رو دھو کر خاموش ہو گئی اور پھر ایک دن جہاز جوہری کے دیس کے ساحل پر آ گیا۔ جوہری شہر میں گیا اور سیدھا دربار میں پہنچا۔ اس نے وعدے کے مطابق چھ رتن بطور نذرانہ مہارج کی نذر کر دیئے اور راجکماری کو مہاراج کے حضور میں پیش کر دیا۔ راجہ جوہری کی اس خدمت سے بہت خوش ہوا۔ اس نے اُسے شاہی جوہری ہی نہیں بلکہ ایک اعلیٰ عہدے سے بھی سرفراز کر دیا۔ راجہ نے اپنی رانی کے لیے نورتن کا چندر ہار بنوایا

اور جب اپنے ہاتھ سے اپنی رانی کے گلے میں ڈالا تو وہ مارے خوشی کے جھوم اُٹھی اور اس راجکماری کو بھی اپنے حرم میں ڈال لیا۔

ادھر سمندر میں گرا ہوا شہزادہ کھڑے کے سہارے تیر کر اُس شہر کے کنارے آپہنچا۔ وہاں اُس نے ایک مالی کے ہاں پناہ لی۔ اس مالی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ لہٰذا وہ اسے اپنے بیٹے کی طرح سمجھنے لگا۔

راجہ اس راج کماری پر سو جان سے فدا ہو چکا تھا۔ آخر ایک روز اس نے شادی کی پیش کش کی۔ لیکن راج کماری نے ایک شرط پر اس سے شادی کرنا منظور کر لیا۔ اس نے کہا۔ لگاتار دو سال تک غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے اور اگر ان میں سے کوئی بھی نل نیل کی کہانی سنا دے تو اُسے انعام و اکرام سے نہال کر دیا جائے۔ تبھی میں شادی کروں گی۔

راجہ نے اس کی یہ شرط قبول کر لی۔

سارے شہر میں منادی کرا دی گئی اور مسلسل سال ڈیڑھ سال تک غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلایا جاتا رہا۔ لیکن کوئی بھی نل نیل کی کہانی نہ سنا سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان بھائیوں کا نام ہی نل نیل تھا۔ لہٰذا انھیں ہی یہ کہانی معلوم تھی۔ بڑا بھائی تو حکومت کے معاملات میں اتنا الجھا ہوا اور عیش و عشرت میں اتنا ڈوبا ہوا تھا کہ وہ اپنا نام تک بھول گیا

تھا۔ اور چھوٹا بھائی مالی کے گھر رہتا تھا۔ اسے سب کچھ یاد تھا۔ پھر بھی اُسے یہ کہاں معلوم تھا کہ وہ اپنے بھائی کی سلطنت میں رہتا ہے۔

ایک دن صبح سویرے وہ مالی کا منشی محل سے کھانا لینے گیا۔ وہ کبھی خیرات مانگنے نہیں گیا۔ لیکن چونکہ مالی بیمار تھا۔ لہٰذا اُسے بحالتِ مجبوری یہ قدم اُٹھانا پڑا۔

راجہ نے اس سے پوچھا۔ "کیا تمھیں نل نیل کی کہانی آتی ہے۔"

"جی ہاں مہاراج!" اُس نے جواب دیا۔

"تو سناؤ۔" راجہ نے حکم دیا اور ساتھ ہی اپنے تمام درباری اور اہلکار بھی طلب کر لیے۔

چھوٹا بھائی کہانی سنانے لگا۔ دراصل یہ کہانی وہ اپنی رانی کو بھی سنا چکا تھا۔ کہانی سناتے وقت جب جوہری کی طرف سے اُسے سمندر میں پھینکے جانے اور راج کماری کے گھڑا پھینکنے کا تذکرہ آیا تو راج کماری اس کے پاس آئی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر رونے لگی۔ اُسے دیکھتے ہی اُسے سب یاد آ گیا اور اُس پر بھی فرطِ جذبات میں رقت کا عالم طاری ہو گیا۔

چونکہ دونوں بھائی بارہ سال بعد ملے تھے اور بچھڑی ہوئی راجکماری کو اس کا شوہر ملا تھا۔ اس بات سے اُنھیں اور وہاں موجود تمام درباریوں امیروں اور وزیروں کو بے حد مسرت ہوئی۔

اس کے بعد دونوں بھائی بڑے پیار و محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے۔ دونوں رانیاں بھی ایک دوسرے کو بہنوں کی طرح سمجھنے لگیں۔ چند روز بعد وہ دونوں بھائی اپنے باپ کے گھر گئے۔ باپ بوڑھا ہو چکا تھا۔ جب انھوں نے ساری کیفیت سچ سچ بیان کر دی تو راجہ نے اُنھیں پہچان لیا۔ راجہ نے راج پاٹ اپنے چھوٹے بیٹے کو دے دیا اور چہیتی رانی کو قید کر لیا۔ بعد ازاں راجہ نے اپنی چھوٹی رانی کے ساتھ جنگل کی راہ لی۔

مینو ورم

لائینڈوا اور توئی سیلا

ایک بار کا ذکر ہے دو بھائی تھے۔ ان کے نام تھے لائینڈوا اور توئی سیلا۔ وہ دونوں یتیم بھی تھے اور غریب بھی۔ باپ کی موت کے بعد اُن کا کوئی سہارا نہ تھا۔ توئی سیلا ابھی چھوٹا سا لڑکا ہی تھا اور لائینڈوا اس سے بڑا تھا۔ لیکن ان کی ماں نے دوسری شادی کر لی اور وہ انھیں چھوڑ کر چلی گئی۔ ان کا کوئی اور رشتہ دار نہ تھا جب اُن کی ماں اُنھیں چھوڑ کر جانے لگی تو لائینڈوا نے رو رو کر برا حال کر دیا اور چلا چلا کر کہنے لگا "میری اچھی ماں۔ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ تمھارے بغیر میں اپنے چھوٹے بھائی کی دیکھ بھال نہیں کرسکوں گا اور ہم دونوں بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں گے۔"

لیکن ان کی ماں نے ایک نہ سنی اور وہ انھیں روتا بلکتا چھوڑ کر چلی گئی۔ پھر لائینڈوا نے اپنے بھائی سے کہا۔ "توئی سیلا تو اب مت رو۔ ہم مرد ہیں۔ ہمیں اپنا راستہ خود بنانا ہے۔ ہمیں دنیا میں چلنے کا سلیقہ خود سیکھنا
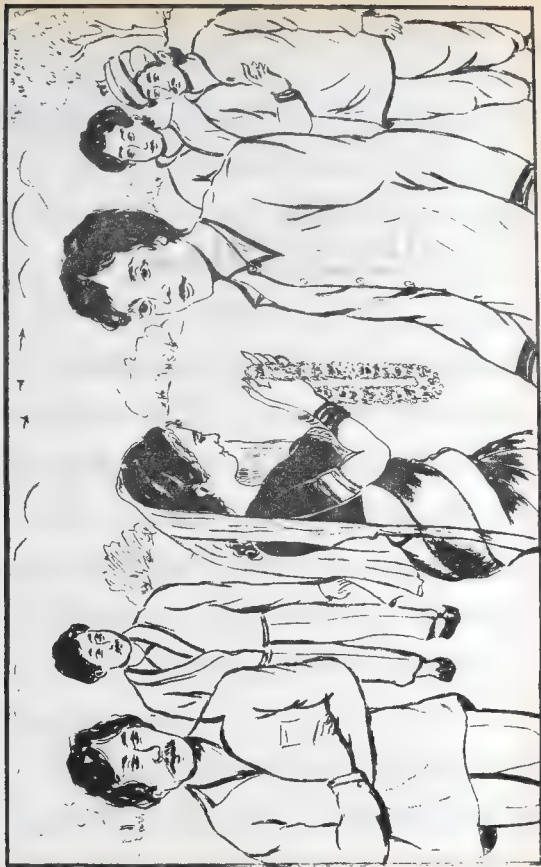
ہے۔ اب ہمیں باہر نکل کر کام کی تلاش کرنی چاہیئے تاکہ دو وقت کی روٹی حاصل کی جاسکے۔"

لائینڈوا اور اس کا بھائی دونوں اتنے غریب تھے کہ ان کے پاس داؤ[1] بھی نہ تھا۔ جب وہ کام پر جاتے تو دوسرے سے داؤ مانگ کرلے جاتے۔

بعض اوقات لائینڈوا کو دوسروں کے کھیتوں میں جاکر بھی کام تلاش کرنا پڑتا۔ اور کبھی دونوں بھائیوں کو جنگل میں جاکر بھی کام کرنا پڑتا۔ توئی سیلار بہت چھوٹا تھا۔ اُسے تو کوئی کام نہ دیتا۔ اس لیے لائینڈوا کو کڑی محنت کرنی پڑتی اور وہ تھوڑا بہت جو کماکر لاتا اُسے دونوں بھائی بانٹ لیتے۔ اتنی قلیل آمدنی سے ان دونوں کو کبھی پیٹ بھر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔

ایک بار لائینڈوا کو اس کی مزدوری کے طور پر پکے ہوئے آلو پیش کیے گئے۔ اگر وہ انھیں قبول کر لیتا تو اس کے بھائی کے لیے کچھ نہ بچتا۔ اور اگر وہ اُسے قبول نہ کرتا تو دونوں کو بھوکا رہنا پڑے گا۔

اب وہ کرے بھی تو کیا۔ ایسی مشکل آن پڑی تھی۔ آخر کافی سوچ وچار کے بعد اس نے یہ پیش کش قبول کرلی اور وہ آلو لینے اپنے مالک کے گھر چلا گیا۔ وہ اپنے بھائی کو بھی ساتھ لے گیا۔ اس نے اُسے مکان کے پیچھے چھپا دیا۔ میزوؤں کے گھر لمبے لمبے بانسوں پر بنے ہوتے ہیں اور اُن کا فرش بھی بانسوں کا

---

[1] تلوار نما ہتھیار جو ہر میزو کے پاس ہوتا ہے۔

ہوتا ہے۔ لائینڈوا کچھ کھاتا اور کچھ اپنے بھائی کے لیے بانسوں کے شگافوں میں پھینک دیتا۔ اس کا بھائی مکان کے نیچے چھپا بیٹھا تھا۔ لہٰذا ان دونوں نے پیٹ بھر آلو کھائے۔

کئی ایسے موقعے بھی آئے جب لائینڈوا کے پاس کوئی کام نہ ہوتا اور دونوں کو بھوکے ہی سونا پڑتا۔ ایک بار تو سارے دن میں باجرے کا ایک دانہ بھی ان کے منہ میں نہ گیا۔

ایسے موقعوں پر لائینڈوا اپنے بھائی کو یہ کہہ کر تسلی دیتا کہ ایک نہ ایک دن قسمت کی دیوی ہم پر ضرور مسکرائے گی۔ ہم بھی دولت مند ہوں گے اور ہمارے پاس بھی زمین ہوگی۔ ہم بھی اچھا کھایا پیا کریں گے۔ خود لائینڈوا کو یہ کبھی یقین بھی نہ تھا کہ ان کے دن بھی پھریں گے اور یہ پیشن گوئی سچ ثابت ہوگی۔

ایک بار لائینڈوا کو کھلیان کی رکھوالی کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس دوران اس نے پرندوں کو مارنے کے لیے کاغذ میں کنکر لپیٹ لیے اور چھرّے تیار کر لیے۔ یہ چھرّے تیار کرنے کے لیے وہ ہر کاغذ کی گولی میں اناج کا ایک دانہ ڈال دیتا تاکہ بعد میں اسے بیج کے طور پر استعمال کر سکے۔ وہ ایسی گولیاں ایک طرف رکھ دیتا۔ بعد میں جھوم کی کٹائی کے وقت اس نے جھوم کے راستے پر ایک جھولا بنایا۔ جھوم کی طرف جاتے وقت گاڑی والے تھوڑی دیر کے لیے ستانے کو رکتے اور جھولا جھولتے۔ اس دوران لائینڈوا آن سے داد

اُدھار مانگ لیتا اور اپنے جھوم کے لیے جنگل صاف کر لیتا۔ اس طرح اس نے ایک چھوٹا کھیت تیار کر لیا۔ اور کاغذ کی گولیوں میں رکھے بیج وہاں بو دیئے۔

ایک دن لائینڈوا اور اس کا بھائی اپنے کھیت کی نرائی کر رہے تھے کہ انھوں نے ایک کوتے کو اُڑتے دیکھا۔ انھوں نے کیا دیکھا کہ اس کے منہ میں ایک سانپ ہے۔ لائینڈوا اور اس کا بھائی دونوں کوّے کو دیکھ کر زور سے چلاّئے۔ اُن کی چلاہٹ سن کر کوے نے مارے ڈر کے سانپ کو پھینک دیا۔ انھوں نے سانپ کو اُٹھا لیا اور اپنے جھوم گھر میں آکر رکھ دیا۔

اس کے لائینڈوا اور تونئ سیلا جب دوپہر کو کھانا کھانے آتے۔ انھیں پکا پکایا کھانا تیار ملتا۔ شروع میں وہ اُسے ہاتھ لگاتے ڈرتے کہ کہیں کوئی غلطی سے کھانا نہ رکھ گیا ہو اور اس نے آکر اپنا کھانا مانگ لیا تو کیا ہوگا۔

جب اُنھیں ہر روز پکا پکایا کھانا ملتا تو آخر انھوں نے یہ جاننے کا فیصلہ کر لیا کہ آخر ان کا مربی کون ہے۔ ایک روز وہ معمول کے برعکس کام پر جانے کے بجائے اپنے جھوم گھر میں چھپ گئے۔ انھوں نے کیا دیکھا کہ ایک بڑھیا جادوگرنی وہاں آئی اور اُن کے لیے کھانا پکانے لگی۔ اُن کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ جس سانپ کو انھوں نے کوّے سے بچا کر جھوم گھر میں حفاظت سے

---

[1] کھیت کی ایک قسم

رکھا تھا۔ وہ اس کا لڑکا تھا۔ اس احسان کا بدلہ چکانے کے لیے ہی وہ اُن کے
لیے ہر روز کھانا تیار کرتی ہے۔

لائینڈوا اور توئی سیلا نے اُسے وہیں رہنے کی درخواست کی۔ لیکن اس
بڑھیا جادوگرنی نے یہ کہہ کر وہاں رہنے سے انکار کر دیا کہ اگرچہ میں تم لوگوں کے
ساتھ نہیں رہ سکتی۔ لیکن پھر بھی جب کبھی تمھیں میری مدد کی ضرورت پڑے
مجھے پکارنا میں اُسی وقت تمھاری دست گیری کو چلی آؤں گی۔

ایک دن سب گاؤں والے مل کر شکار کھیلنے چلے گئے۔ شکار پارٹی کا ایک
بہت بڑے مگرمچھ سے سامنا ہوا۔ لیکن اس پارٹی نے اسے غلطی سے لکڑی کا
ایک بہت بڑا لٹھا سمجھ لیا۔ خطرے کا احساس کیے بغیر وہ اس کے اوپر سے گزر
گئے۔ توئی سیلا سب سے آخر میں اس کے اوپر سے گزرا تو اس نے کیا دیکھا کہ
لکڑی کا وہ لٹھا حرکت کرتا ہے۔ جب اس نے غور سے دیکھا تو اسے مگرمچھ کی
آنکھیں اور منھ نظر آیا۔ وہ بہت ڈر گیا اور بھاگا بھاگا لائینڈوا کے پاس
گیا اور اس سے کہا کہ "جسے ہم صرف لکڑی کا لٹھا سمجھے تھے وہ تو اصل میں مگرمچھ
ہے۔" لائینڈوا کو اس کی بات کا یقین نہ آیا۔ اس نے بھی محسوس کیا کہ اگر یہ
بات سچ ہوئی تو پارٹی بھی ضرور اس مگرمچھ کو مار ڈالے گی مگر اسے اور اس کے
بھائی کو ہی یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ اب اس نے خاموش رہنے میں ہی عقلمندی
سمجھی۔ مگر توئی سیلا کو چین کہاں۔ اس کے پیٹ میں تو بات پچ ہی نہیں سکتی تھی۔

اس نے شکار پارٹی کے کان میں یہ بات ڈال ہی دی۔ آخر شکار پارٹی کے دوسرے ممبروں کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان سے کوئی چوک ہو گئی ہے۔ لہٰذا انھوں نے لوٹ جانے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے لائینڈوا اور اس کے بھائی توئی سیلا سے کہا: "ہم توئی سیلا کی بات کی تصدیق کرنے کے لیے واپس جائیں گے کہ اگر یہ مگرمچھ نہ ہوا تو ہم توئی سیلا کو اس کے جھوٹ کی سزا دیں گے۔"

اپنی جگہ واپس آکر انھیں معلوم ہوا کہ توئی سیلا کی بات سچ تھی۔ انھوں نے مگرمچھ کو مار دیا۔ انھوں نے دونوں بھائیوں کو اس خدمت کے صلے میں مگرمچھ کی انتڑیاں دے دیں۔ انھوں نے انھیں مزید کہا کہ انھیں صاف کرنے کے لیے تمھیں نیچے چشمے پر جانا ہوگا تاکہ دریا کا پانی گندہ نہ ہو۔

بات دراصل یہ ہوئی تھی کہ اس سے پہلے اس مگرمچھ نے ایک پادری کو دا گر کو نگل لیا تھا اور جو کچھ بھی اُس کا سامان تھا وہ بھی ہڑپ کر گیا تھا۔ اُس میں برمی بیش قیمت گھڑیاں، گھڑیال، کنٹھا، ہار اور دوسرے زیورات بھی شامل تھے۔ لائینڈوا اور توئی سیلا نے جب مگرمچھ کی انتڑیاں چیریں تو سوداگر کی لاش کے علاوہ وہ تمام چیزیں نظر آئیں۔ لاش کو تو انھوں نے ٹھکانے لگا دیا اور چیزیں حاصل کر کے وہ بہت خوش ہوئے۔

وہ انھیں لے کر اپنے گھر آئے۔ اب اُنھیں یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ اگر گاؤں والوں کو معلوم ہو گیا کہ انھیں کیا ملا ہے تو وہ سب کچھ اُن سے چھین

لیں گے۔ اس لیے انھوں نے وہ تمام چیزیں چھپا دیں۔

چند روز بعد فصل کاٹنے کا موسم آگیا اگرچہ لائینڈوا کی فصل بہت کم تھی مگر تھی بہت اچھی۔ ان دونوں بھائیوں نے بڑھیا جادوگرنی کو یاد کیا کہ کاش دادی ہمارے پاس ہوتی تو وہ ہماری مدد کر دیتی۔

بڑھیا جادوگرنی کا خیال آتے ہی وہ اپنے وعدے کے مطابق آموجود ہوئی اور بولی۔ "جس روز بھی تم اپنے جھوم سے فصل کاٹنا چاہو تمام پڑوسیوں کو مدد کے لیے بلا لینا۔ میں بھی آجاؤں گی۔ میں اُن سب کے سامنے ناچوں گی وہ جتنا زور سے چاہیں ہنسے گے فصل کی کٹائی تبھی ختم ہو جائے گی۔

اس کے بعد لائینڈوا اور توئی سیلا نے تمام پڑوسیوں کو فصل کاٹنے کی دعوت دی۔ ان میں سے بیشتر نے اس اقدام کو غیر سنجیدہ سمجھا۔ جھوم کے رقبے کو دیکھ کر انھوں نے سوچا کہ کسی بھی بیرونی مدد کی ضرورت نہ پڑے گی۔ اور دونوں بھائی خود ہی سارا کام پورا کر لیں گے۔ تاہم مقررہ دن پر کچھ پڑوسی اکٹھے ہو گئے۔ فصل کی کٹائی کا کام علی الصبح ہی شروع ہو گیا اور سہ پہر تک بھی پڑوسیوں کی امداد کے باوجود کام پورا نہ ہو سکا۔ کئی لوگ تو کھانا کھائے بغیر ہی آئے تھے۔ انھیں کھانا کھانے کے علاوہ شام کا کھانا لاتے کے لیے گھر بھی جانا تھا۔ شام تک جب فصل کی کٹائی کا کام مکمل ہونے کی امید نہ رہی اور توئی سیلا بھی اوروں کے ساتھ کام کرتے کرتے تھک گیا تو وہ انگڑائی

لے کر اچانک ہنسنے لگا۔ اُسے بڑھیا جادوگرنی کی تنبیہہ یاد نہ رہی۔ اُس کے ہنستے ہی سارا کھیت صاف ہوگیا اور بقایا فصل کاٹنے کے لیے ایک دانہ بھی نہ بچا۔ بہرحال اس دوران وہ اتنی دھان کاٹ چکے تھے کہ جو دونوں کے لیے سال بھر کے لیے کافی تھی۔

اس دوران لارسیا نامی ایک سردار لائینڈوا کے گاؤں میں آیا۔ لارسیا نہ صرف امیر تھا بلکہ اس کے تمام دوست احباب اس کا بے حد احترام کرتے تھے اس کی آمد کی اطلاع پیشگی ہی کردی گئی تھی اور تمام لوگ لائینڈوا کے گاؤں میں اس کی آمد کے منتظر تھے۔

جب اُس کے آنے کا وقت قریب آیا تو اس نے بھیس بدل کر گاؤں میں آنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ وہ یہ پتہ لگا سکے کہ پورے گاؤں میں کون شخص سب سے زیادہ ایماندار یا بے ایمان ہے۔

گاؤں میں آنے سے پہلے لارسیا نے اپنے پورے جسم پر راکھ مل لی اور جسم پر آبلوں کے مصنوعی داغ لگا لیے۔ اس کے بعد وہ اور اس کے ساتھی گاؤں میں داخل ہوئے۔ گاؤں والے بڑی بے صبری سے اس کی آمد کے منتظر ہی تھے۔ انہوں نے ان لوگوں کو بھی مدعو کر لیا کہ جن کے متعلق اُنھیں خیال تھا کہ لارسیا ان کے گھر ٹھہرے گا۔ لارسیا کے بیشتر گاؤں والے اس کے ساتھ آئے تھے۔ وہ اپنی بہترین پوشاکیں پہنے تھے۔ جب کہ لارسیا نے معمولی

سی پوشاک زیب تن کر رکھی تھی ۔ جلد ہی جو لوگ خوبصورت پوشاکیں پہنے تھے
انھیں مہمان سمجھ کر ان کا پرجوش استقبال کیا جانے لگا۔ جب کہ بدنما لارسیا کی
جانب کسی نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ لائینڈوا کو اُمید نہ تھی کہ کوئی ان کے
پاس ٹھہرنے کو آمادہ ہو جائے گا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ ایک شخص کو جو
سب سے غریب نظر آتا ہے۔ اس کی جانب کسی نے بھی توجہ نہ دی تو وہ اُس
کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ ”بھائی! اگر تم بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔ تمھیں
میرے ساتھ چلنے میں کوئی اعتراض تو نہیں،“ جب لارسیا نے جواب انکار
میں دیا تو اس نے اُسے اپنے یہاں ٹھہرنے کی پیش کش کی۔ لارسیا نے بخوشی
دعوت قبول کر لی اور لائینڈوا کے ساتھ ہولیا۔

جب وہ اس کے پاس گیا اور تھوڑی دیر آرام کیا تو لارسیا نے اپنا
اَتا پتا بتا دیا۔ اس نے لائینڈوا سے کہا کہ پورے گاؤں میں اس کا اعلان کر دو۔
جب یہ کام ہو گیا تو گاؤں کے دولت مند اشخاص کو بلایا گیا۔ انھوں نے لارسیا
کو اپنے یہاں چلنے کی دعوت دی مگر لارسیا نے انکار کر دیا۔ وہ اپنے پورے
قیام کے دوران لائینڈوا ہی کا ہی مہمان رہا۔ لارسیا ان دونوں بھائیوں
کی مہمان نوازی، خلوص اور ایمانداری سے بے حد متاثر ہوا اور جب گھر لوٹنے کا
وقت آیا تو اس نے لائینڈوا کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔

اس کے بعد لائینڈوا اور توئی سیلا لارسیا کے ساتھ چلے گئے۔

جب وہ اس گاؤں میں پہنچے تو لارسیا نے ان سے کہا کہ آپ اس ریوڑ میں اپنی پسند کی بہترین متھن[1] منتخب کر لیں۔ لائینڈوا نے سوچا کہ اُسے ایسی گائے منتخب کرنی چاہیئے کہ جو سب سے زیادہ بچھڑے دیتی ہو۔ لیکن لارسیا کے ریوڑ میں اتنی زیادہ گائیں تھیں کہ اُسے اپنی پسند کی گائے چننے میں پریشانی ہوئی۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ لارسیا کے گاؤں میں کسی سے مشورہ کر لینا بہتر ہوگا۔

لارسیا کے گھر کے قریب ایک بڑھیا رہتی تھی۔ لائینڈوا اُس سے مشورہ کرنے چلا گیا۔ بڑھیا اس اعزاز سے بہت خوش ہوئی۔ لائینڈوا سے کہنے لگی "بیٹا! تم نے مجھ سے مشورہ لیا ہے۔ تم بہت عقلمند ہو۔ ہمارے گاؤں میں میرے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ لارسیا کی متھنوں میں سب سے زیادہ بچے اور دودھ دینے والی کونسی متھن ہے۔ وہ میں بتاتی ہوں۔ جو متھن سب سے زیادہ بھدی نظر آئے اُسی کو چن لو وہی بہترین ہوگی۔ جب لارسیا تمھیں اپنی متھن دکھائے تو موٹی اور تندرست متھن ہرگز نہ لینا۔ وہ سب سے پہلے وہی متھن تمھارے سامنے لائے گا۔ تم آخر تک سب سے کمزور اور بچی کھچی متھن کا انتظار کرنا کیونکہ وہی بہترین ہوگی۔

اس طرح جب لارسیا نے لائینڈوا اور توئی سیلا کے سامنے باری

---

[1] میزورم میں متھن نام کی دودھ دینے والی گائے ہوتی ہے۔

باری ایک ایک کر کے متھنیں پیش کیں اور ان سے کہا کہ تم سب سے مفید تندرست اور موٹی تازی متھن چن لو۔ لیکن لائینڈوا نے انکار کرتے ہوئے کہا۔" سرکار ہم بہت غریب ہیں۔ ہم اتنے تندرست اور موٹے تازے مویشیوں کو کھلا پلا نہیں سکتے۔ اس لیے ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہم کونسی متھن چنیں کہ جسے ہم آسانی سے پال پوس سکیں۔"

اس طرح یہ کہہ کر لائینڈوا نے سب سے آخری لائی گئی متھن چن لی۔ یہ سب سے کمزور، بدصورت لیکن سب سے اچھی متھن تھی اور خوب دودھ دے سکتی اور بچھڑے پیدا کر سکتی تھی۔

لارسیا اپنے وعدے کا دھنی اور باعزت شخص تھا۔ وہ اپنے وعدے سے نہ پھرا۔ جب لائینڈوا اس کی بہترین متھن کو کھونٹے سے کھول کر لے گیا تو وہ اُسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ بڑھیا کے کہنے کے مطابق یہ متھن ہر چھ ماہ بعد بچھڑا دینے لگی۔

آہستہ آہستہ لائینڈوا اور توئی سیلا مالدار ہونے لگے۔ لیکن گاؤں میں کسی کو اُن کے امیر ہونے کا کارن معلوم نہ تھا۔ لائینڈوا اور توئی سیلا کچھ دیر اپنی گھنٹیاں اور گھڑیال بجاتے رہے۔ پڑوسی حیران تھے کہ وہ گھنٹے اور گھڑیال انھیں کن لوگوں سے ملے۔ جب اُن سے پوچھا تو دونوں بھائیوں میں سے ایک نے بھی سچ بات نہ بتائی۔ سردار کی ایک لڑکی تھی اُس کا

نام توئ چانگی تھا۔ اسے لائینڈوا اور اس کے بھائی کی دولت کے متعلق شک ہوا۔ آخر وہ لائینڈوا سے محبت کرنے لگی۔ توئ چانگی خوبصورت تھی اس کے والدین کو اس پر ناز تھا۔

ایک روز سردار نے اعلان کیا کہ اس کے گاؤں کے تمام کنوارے لڑکے اس کے گھر کے سامنے آکر اکٹھے ہوں تاکہ اس کی لڑکی توئ چانگی مستقبل کے لیے اپنے شوہر کا انتخاب کرسکے۔

مقررہ دن پر گاؤں کے سب مستحق نوجوان باری باری توئ چانگی کے سامنے ایک ایک کرکے گزرے لیکن اس نے سب کو رد کر دیا۔ اس کے والدین نے سوچا کہ ممکن ہے اُسے کسی دوسرے گاؤں کے لڑکے سے پیار ہو گیا ہو۔

لائینڈوا کو کوئی امید نہ تھی۔ آخر چارو ناچار صرف باری بھرنے کے خیال سے وہ بھی آگیا۔ توئ چانگی نے اسے ور ہی لیا۔ ان کے والدین کے غصّے کی کوئی انتہا نہ تھی۔

سردار نے اُسے بُرا بھلا کہتے ہوئے کہا۔ "تو نے میرے گاؤں کے تمام مستحق نوجوانوں کو ردّ کر دیا ہے اور امیروں کے لڑکوں پر تو نے لائینڈوا کو ترجیح دی ہے۔ اس سے تو بھکاری اچھے ہوتے ہیں۔ تو منحوس ہے۔ لعنت ہے تجھ پر۔"

اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر اس نے اُس کے ہاتھ کی وہ انگلی کاٹ ڈالی جس کے ذریعہ لائینڈوا کو اس نے اپنا جیون ساتھی چنتے جاتے کا اشارہ کیا تھا۔ اس خوف سے کہ اگر وہ گھر گئی تو اس کا باپ اُسے اور کڑی سزا دے گا۔ توئی چانگی لائینڈوا کے گھر چلی گئی اور لائینڈوا نے اُسے اپنی بیوی کے طور پر قبول کر لیا۔

اس کے بعد توئی چانگی کے باپ نے لائینڈوا سے دلہن کی قیمت وصول کرنے کے لیے متھن اور کنٹھے ہار مانگے۔ اس سے یہ خیال تھا کہ لائینڈوا اتنی بڑی قیمت ساری زندگی ادا نہ کر سکے گا۔ اگرچہ یہ قیمت بھاری بھی تھی اور جبری بھی۔ لیکن اس کے باوجود لائینڈوا نے دلہن کے دام بخوشی چکا دیئے۔ جب سردار کو یہ معلوم ہوا کہ لائینڈوا اتنا امیر ہے کہ اس نے دلہن کی قیمت چکانے کے لیے کوئی قرضہ نہیں لیا اور سارے دام مُنہ مانگے ادا کیے ہیں تو اس نے اُسے اپنا داماد قبول کر لیا۔

کچھ عرصہ بعد لائینڈوا نے اپنے یہاں کھانگ چوئی[1] کا اہتمام کیا۔ یہ دعوت ہر امیر شخص عاقبت سنوارنے کے لیے دیتا رہا ہے۔ شادی کے بعد لائینڈوا کی طرف سے دی جانے والی یہ ایک بہت بڑی دعوت تھی۔ اس کی ماں ایک دوسرے گاؤں میں رہتی تھی۔ وہ بھی کھانگ چوئی

---

[1] کھانگ چوئی میزورم میں ایک دعوت کا نام ہے جو ہر امیر شخص دیتا ہے۔

میں شرکت کرنے آئی۔ لائینڈوا اور توئی سیلا نے اس سے جو سلوک کیا وہ اس پر بہت نادم تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ لائینڈوا کی امارت اور خوشحالی اپنی آنکھوں سے دیکھتی۔ وہ اُس کے گاؤں میں آتے ہی راہیٔ ملکِ عدم ہو گئی۔

لائینڈوا نے بعد میں اپنی زندگی کے آخری دور میں ایک داشتہ رکھ لی۔ ایک روز وہ اپنی بیوی اور داشتہ کے ساتھ اپنے سسر کے یہاں سے اپنے گھر آرہا تھا کہ انھیں دریائے چنڈون پار کرنا پڑا۔ کہتے ہیں اس دن دریا چڑھا ہوا تھا۔ توئی چانگی اُس میں ڈوب گئی۔ کیونکہ لائینڈوا اسے بروقت بچا نہ سکا۔ کیونکہ اس نے اپنی داشتہ کو بچانے کی جانب پہلے توجہ دی تھی۔ جب کہ اس کی جان بھی خطرے میں تھی۔

میگھالیہ

راجہ کے تین گھوڑے

راجہ آبڑ توگا گھوڑوں کا بہت شوقین تھا۔ اس کی سلطنت بھی دور دور تک
پھیلی ہوئی تھی۔ جس میں بڑی بڑی پہاڑیاں تھیں اور ان پر ہزاروں اقسام
کے سرسبز درخت کھڑے رہتے تھے۔ یوں تو اس کی سلطنت میں کئی دریا بہتے
تھے۔ لیکن دریائے ایلڈیک کی اپنی ہی اہمیت تھی۔ اس میں ایر اچھلیاں ہمیشہ
تیرتی رہتی تھیں۔ دریائے بسماڑ کا پانی بہت میٹھا تھا۔ اُسے پی کر چرند پرند
اپنی پیاس بجھاتے اور دور دراز کے دیہات سے میکر، میزو، کھاسی اور
گارو قبائل کے لوگ پانی بھرنے کے لیے اسی دریا پر آیا کرتے تھے۔

راجہ آبڑ توگا کے محل میں کئی رانیاں تھیں جو اپنے حسن کی وجہ سے
اتنی شہرت یافتہ تھیں کہ پریاں انھیں دیکھنے کے لیے کبھی دن کے وقت
اور کبھی رات کو آیا کرتیں اور ان کی تعریف کرتے ہوئے اپنے روپ اور
حسن کو ہیچ سمجھتی تھیں۔

راجہ کی کئی بیٹیاں تھیں جن میں تیمبے نام کی شہزادی پوری سلطنت میں سب کی آنکھ کا تارا تھی۔ اسے گھوڑ سواری کا بہت شوق تھا۔ جب راجہ اپنے سرداروں کے ساتھ موڑ گرے پہاڑی پر بیٹھ کر اپنے گھوڑوں کو چرتے دیکھتا تو اس کا دل پہلے اداس ہوتا اور پھر وہ مارے خوشی کے ناچ اٹھتا۔

جب اس راجہ کو مچھلیاں اور کیکڑے کھانے کی طلب اٹھتی تو وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اپنی رانی میرے کو بھی ساتھ لے جاتا اور اُسے پہاڑوں پر کام کرنے والی عورتوں کو دکھاتا۔ وہ کڑی محنت کر کے اپنے کنبے کی پرورش کرتی تھیں۔ درنگ گرے اور کاچو قبائل کے لوگوں کو بھی گھوڑوں پر چڑھنا دیکھتا۔ کئی فنون سکھاتا اور شکار کے وقت پوری ہمت اور دلیری کے ساتھ وحشی جانوروں کا سامنا کرنا اُنھیں خوب آتا تھا۔

ایک بار اوبو کارشائی نامی بدمعاش نے ساری سلطنت میں اودھم مچانی شروع کر دی اور اس کی سرکوبی کے لیے راجہ آبڑ لوگا نے گھوڑے پر چڑھ کر اپنے سرداروں کی ہمت افزائی کی اور مولاڑ اور جولائی قبائل کی خواتین کو بھی جادو ٹونا کرنے کے لیے طلب کیا اور یوکارشائی کو مار ڈالا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہونے والی خون ریز لڑائی میں راجہ نے

نے اپنا گھوڑا کھو دیا۔ یہ گھوڑا زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ اپنے اس پیارے گھوڑے کو کھو کر راجہ بڑا اُداس رہنے لگا اور مین ٹوڈ مین کا ڈ اور اومی ڈپرم دریاؤں کے قرب و جوار میں دل بہلانے کے لیے وہ صبح شام چکر لگانے لگا۔ وہاں اُسے شاعر، پنڈت، سردار اور گھوڑوں کے متعلق واقفیت رکھنے والے ماہرین اور مویشیوں کے ڈاکٹر بھی ملے جو بھارت کے کئی شہروں سے تعلق رکھتے تھے اور ہندی سنسکرت وغیرہ کئی زبانیں جانتے تھے۔ راجہ آبڑ نوگا نے سب کو دربار میں بلایا۔ ان کے سامنے تین گھوڑے خریدنے کی تجویز رکھی۔

راجہ کی یہ تجویز سب کو پسند آئی اور سب نے تعریف کی۔ لیکن ایک پنڈت بولا۔ "مہاراج! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ جب تین گھوڑے خریدیں تو وہ سب ایک ہی رنگ کے ہوں۔ اگر آپ سفید رنگ کے دلدادہ ہیں تو تینوں گھوڑے سفید ہوں۔ اگر آپ کو کالا رنگ پسند ہے تو تینوں گھوڑے کالے ہی رنگ کے ہوں۔ تینوں مختلف رنگوں کے گھوڑے خریدنے کی غلطی آپ بھول کر بھی نہ کیجیے۔ کیونکہ اس جانور میں آپس میں حسد بہت ہوتا ہے۔ کالا گھوڑا کالے گھوڑے سے دوستی کرتا ہے۔ اگر کالے گھوڑے کو سفید گھوڑا مل گیا تو وہ اسے جان سے مار ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ مثال کے طور پر آپ کو ایک ساہوکار کی داستان سناتا ہوں۔

آسام کے قریب ہی بنگال ہے۔ اس صوبہ بنگال میں پربھات چکرورتی نامی ایک سیٹھ رہتے تھے۔ ان کے پاس دو گھوڑے تھے۔ ایک کالا اور دوسرا سفید۔ وہ دونوں جب ایک دوسرے کو دیکھتے تو زور زور سے ہنہنا کر اپنے کھروں سے زمین کھودنے لگتے اور ایک دوسرے کو ترچھی نگاہوں سے دیکھ کر اپنے غصے کا اظہار کرتے تھے۔ رات کے وقت ساہوکار کی نیند حرام ہو جاتی آخر اس نے مجبوراً انھیں کسی قصائی کے ہاتھ سستے داموں پر بیچ دیا۔ آخر ان دونوں کا انجام وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا یعنی دونوں گھوڑے ذبح کر دیئے گئے دربار میں موجود تمام درباریوں نے اس کی رائے کی تائید کی اور راجہ نے اپنے پاس بیٹھی رانی کو دیکھا۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہے کہہ سکتی ہے۔

رانی نے کہا۔ "گھوڑے ضرور خریدے جائیں لیکن خوبصورت ہوں۔ ان کی چال تیز ہو اور وہ اپنے مالک کے وفادار ہوں۔ سست نہ ہوں۔ اور توپوں کی گھن گرج سے خوف زدہ نہ ہوں۔ جو گھوڑے ہمیشہ گردن اُٹھا کر اور تن کر چلتے ہوں وہی راجہ کے قابل ہونے چاہیئں اور جو توپوں کی گھن گرج سے ڈر جاتے ہوں۔ وہ ہمیشہ میدان جنگ سے بھاگ جاتے ہیں اور اُن کے مالک شکست کا مُنہ دیکھتے ہیں۔ قیمت کی فکر نہ کرتے ہوئے۔ آپ بہترین گھوڑے ہی خریدیں اور اپنے اس نیک کام میں

اپنے قابل سرداروں کی مدد ضرور لیں۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہنا چاہتی ہوں کہ ضرورت پڑنے پر جن گھوڑوں نے بچپن میں بھینس کا دودھ پیا ہو انھیں کبھی نہ خریدیں۔ بکری اور گائے کا دودھ پینے والے گھوڑے کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ جبکہ بھینس کا دودھ پینے والا گھوڑا نہایت سست اور لڑائیوں سے خوفزدہ رہتا ہے۔ رانی کی اس گہری سوجھ بوجھ کی سب نے تعریف کی۔

اس کے بعد راجہ کے شاعروں اور گھوڑوں کے ماہروں نے بھی اچھے گھوڑے کی پہچان بتائی اور راجہ اپنے سرداروں کو ساتھ لے کر تین کالے گھوڑے خرید لایا۔ ان گھوڑوں کی سب نے تعریف کی اور علاقے کے سب سے دولت مند شخص اوسی ٹوڈے نے عرض گزاری۔ "مہاراج! ان گھوڑوں کی پوری دیکھ بھال ہونی چاہیئے اور ان پر پوری توجہ دی جانی چاہیئے۔"

کچھ سوچ وچار کرنے کے بعد راجہ نے ان تینوں گھوڑوں کی پرورش اور دیکھ بھال کے لیے تین اہلکار تعینات کر دیئے اور دولت مند شخص اوسی ٹوڈ کی جانب مسکرا کر دیکھا۔ راجہ کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کے چہرے پر ہنسی کھل اٹھی۔

"اوسی ٹوڈ! آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟" راجہ نے پوچھا۔

"مہاراج! آپ نے گھوڑوں کی نگرانی کے لیے تین اہلکار مقرّر کیے ہیں۔ یہ حکم سُن کر کہہ مجھے اپنی ایک کہانی یاد آگئی جسے میں ابھی نہ سُنا کر ایک ماہ بعد شری حضور کی خدمت میں پیش کروں گا۔"

اوسی ٹوڈو نے بڑی سنجیدگی سے سر جھکا کر کہا۔ اس کے بعد کوئی خاص گفتگو نہ ہوئی اور اصطبل میں ان تینوں گھوڑوں کو بندھوا دیا گیا اور ہوشیار سائیسوں کی نگرانی میں تین اہلکار بھی گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنے لگے۔

دو چار دن بعد اوکپ نامی سائیں نے اپنے افسر سن داؤجی سے کہا۔ "آپ تو سرکار کے بڑے افسر ہیں۔ تنخواہ بھی اچھی ملتی ہے۔ میں تو بہت غریب ہوں۔ گھر میں چار بچّے ہیں تنخواہ بہت کم ہے۔ بُرا نہ مانیں تو ایک عرض کروں۔"

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ دل کھول کر کہہ دو۔ یہ ٹھیک ہے مجھے بہت اچھی تنخواہ ملتی ہے لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مجھے پچھلے سات ماہ سے تنخواہ نہیں ملی۔ گھر کا گذارہ مشکل سے چلتا ہے۔ نہ گھر میں دودھ آسکتا ہے اور نہ ہی بچّوں کو کھانے کے لیے مٹھائی ملتی ہے۔ جن افسروں کو تم سب کی نگرانی کے لیے مقرّر کیا گیا ہے اُن کا اعلیٰ افسر میں ہی ہوں۔ میں تمھارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ اوکپ دھپ سائیں تم بڑے شریف اور مٹھ بولے شخص ہو۔ تم نے میرا راستہ بھی صاف کر دیا ہے۔ جو سامان ان تینوں گھوڑوں کے لیے منگوایا جاتا ہے اس میں سے کچھ تم اور کچھ ہم لوگ چپکے سے لے لیا کریں گے۔

اس طرح سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تو اپنے ساتھیوں کو سب کچھ سمجھا دوں گا تم بھی اپنے ساتھیوں سے بات چیت کر لینا۔" پنڈت سن سے داؤ جی نے کہا

دس دن میں جو سامان گھوڑوں کے لیے آتا سائیس اور تینوں افسر اُس کا صحیح ڈھنگ سے آپس میں بٹوارہ کر لیتے۔ گھوڑوں کو جو کچھ ملتا اُس سے اُن کا پیٹ نہیں بھرتا۔

ایک دن راجہ اچانک اصطبل میں آگیا اور گھوڑوں کو کمزور دیکھ کر بولا "پنڈت سن سے داؤ جی! گھوڑے دبلے کیوں ہو رہے ہیں۔ اُن کے کھانے کے لیے، گھی، گڑ، میدہ، خشک میوے۔ دودھ اور چنا وغیرہ سب کچھ بھیجا جا رہا ہے پھر بھی ان کی یہ حالت کیوں ہو رہی ہے؟

"حضور! اپنے دیش کے لیے محبت سب سے زیادہ گھوڑوں میں ہوا کرتی ہے ایسا ہم لوگ جانتے ہیں سمجھتے ہیں۔ گجرات کی آب و ہوا ان گھوڑوں کے عین مطابق تھی۔ اس کے ساتھ ہی گجرات ان کی جنم بھومی ہے۔ اسے چھوڑ کر یہ سب رات دن روتے رہتے ہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ آپ جتنی رسد ان گھوڑوں کے لیے بھجواتے ہیں۔ آسے یہ سب فوراً کھا جاتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جانور مٹھائی اور خشک میوے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ آپ چاہیں تو دو چار من اور بڑھا سکتے ہیں۔ ہم لوگ تو پوری نگرانی رکھتے ہیں۔ سائیں بھی بڑے ایماندار ہیں۔ یہ اُن کی اتنی خدمت

کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے گھر بار کو بھی بھلا دیا ہے۔''

گھوڑوں کی خوراک میں چار من رسد کا مزید اضافہ کر دیا گیا اور راجہ نے ان کی نگرانی کے لیے تین افسر اور بڑھا دیئے۔

ادھر افسروں کی تعداد چھ ہو گئی تین سائیں تو پہلے ہی سے تھے اب بڑی چالاکی کے ساتھ گھوڑوں کی خوراک کی رسد کے نو حصے ہوتے گئے۔ اُدھر ایک مہینہ پورا ہو گیا اور اُدھر تینوں گھوڑے خوراک پوری نہ ملنے کی وجہ سے مر گئے۔

ان چھ اہلکاروں نے راج محل میں جا کر عرض گزاری کی کہ اپنے وطن کی محبت اہمیت سمجھنے اور سمجھانے کیلیے اچھی خوراک کھا کر بھی تینوں گھوڑے کل رات مر گئے۔ سب کو اس کا بڑا دکھ ہے۔ ہم سب پریشان ہیں۔ اپنا دکھ ظاہر نہیں کر سکتے۔ جس وقت راجہ کو گھوڑوں کی موت کی خبر سنائی جا رہی تھی اُس وقت راجہ کی سلطنت کا سب سے دولت مند شخص اوسی ٹوڈ بھی وہاں موجود تھا۔

راجہ آبڑنوگا نے کا یاڑنا منگ سیم یعنی ایک سال پرانی شراب کے دو جام پیے اور اوسی ٹوڈ سے وہ کہانی سنانے کو کہا جس کا اس نے وعدہ کیا تھا۔

اوسی ٹوڈ بولا۔ ''ایک دفعہ کا ذکر ہے میں نے ایک دو دھاری گائے

پال رکھی تھی۔ اسے میں نے اپنے گھر سے دو میل دور ایک باغ میں دیکھ
بھال کے لیے رکھ دیا تھا۔ میرا نوکر اورائینگ اس گائے کی اچھی طرح دیکھ بھال
کرتا تھا اور صبح شام دودھ کا ایک ایسا بھرا برتن میرے لیے لاتا تھا۔
اس دودھ میں جڑی بوٹیوں کا رس ملایا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ ایک ماہ تک
جاری رہا۔ ایک میل دوڑ کر میں اس برتن کا سارا دودھ پی لیتا اور اس
کی مٹھاس کی تعریف بھی کیا کرتا۔ جڑی بوٹیوں کے لذیذ رس میں ملا دودھ
پی کر میری صحت بھی بہتر ہوگئی اور میرا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا۔
یہ سب دیکھ کر میرے نوکر کے دل میں بے ایمانی آگئی اور اس نے میرے
دودھ میں سے کچھ حصہ پینا شروع کر دیا۔ جتنا حصہ وہ دودھ نکالتا اتنا ہی
حصہ وہ پانی اس میں ملا دیتا۔ پانی ملانے سے دودھ کی مٹھاس کم ہوگئی اور
میں نے فوراً اس کی نگرانی کے لیے ایک ملازم رکھ لیا۔ اس کا نام تھیال
کے۔ آ۔ تھا۔

یہ اب دونوں ملازم مل کر میرے دودھ کی پوری رکھوالی کرتے
اور مجھے پینے کے لیے دودھ بر وقت ملنے لگا۔ آہستہ آہستہ تھیال۔
لے۔ آ۔ کے دل میں دودھ پینے کا لالچ ابھرا اور دونوں نے مل کر اصلی
دودھ میں سے کچھ زیادہ حصہ نکالنا شروع کر دیا۔ برتن میں دودھ کم نہ
رہے یہ دونوں بڑی چالاکی کے ساتھ دریا کا پانی ملا دیا کرتے۔

آخر ایک وقت ایسا آگیا کہ مجھے دودھ کی جگہ صرف ٹھنڈا پانی ہی ملنے لگا اور یہ دونوں بڑی چالاک نوکر میرا سارا دودھ خود ہی پی لیا کرتے مجھ پر ساری حقیقت کھل چکی تھی۔ میں نے دونوں نوکروں کو دھکے دیکر نکال دیا اور آخر مجبور ہو کر گائے کی دیکھ بھال خود کرنی شروع کر دی۔ اور گائے کو دُہنا بھی سیکھ لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے پھر کبھی کسی قسم کا دھوکہ نہ کھایا اور بڑے مزے سے فالتو دودھ پیتا رہا۔

اب میری آپ سے یہی عرض ہے کہ نوکروں پر ضرورت سے زیادہ کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ مویشی بھی ملک کی دولت ہوتے ہیں۔ جو اس دولت کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اسے کبھی پچھتانا نہیں پڑتا۔

اوسی ٹوڈ کی یہ کہانی سن کر راجہ آبڑ نوگا کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اس نے اپنی بھول سمجھ لی۔ اس کے بعد جتنے بھی گھوڑے راجہ کے اصطبل میں رکھے گئے تھے انکی دیکھ بھال راجہ خود کیا کرتا اور گائے بھینسوں کا چارہ بھی وہ اپنی موجودگی میں ڈلواتا کہ کسی کو کسی بے زبان جانور کی خوراک میں ہیرا پھیری کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ حتیٰ کہ راجہ مویشیوں کو پانی بھی اپنے ہاتھوں سے پلواتا تھا۔ راجہ کی اس چوکسی سے اس کے بہت سے خود غرض اہلکار ناراض ہو گئے۔ لیکن راجہ نے اس کی مطلق پروا نہ کی۔

ناگالینڈ

چھم جی چانگ لانگبا

نوک پوئین چین نامی گاؤں میں چھم جی چانگ لانگبا نامی ایک نوجوان رہتا تھا۔ وہ کئی طرح کے جادو جانتا تھا۔

اس کے کھیت جب پکنے لگے۔ تو وہ بہت سے جنگلی سؤر اس میں آجاتے اور سارا کھیت چر جاتے۔ وہ ان کی تاک میں بیٹھنے لگا۔ ایک رات جب اس کے کھیت پر سؤروں کا حملہ ہوا تو اس نے اپنے نیزے سے ایک سور کو زخمی کر دیا۔ زخمی سور کا پیچھا کرتے ہوئے وہ لچھا بادیو کے گھر کے سامنے آیا۔ یہ سمجھ گیا کہ یہ اسی کے جانور ہیں۔ لہٰذا ڈر کے مارے اس نے کچھ نہیں کہا۔

لچھابا کے گھر میں دو لڑکیاں دھان کوٹ رہی تھیں۔ اس نے بات بناتے ہوئے کہا، "میں نے سنا ہے کہ آپ کے گھر میں لڑکی شادی کے لائق ہے۔ میں اُس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

دیو کی دو بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کی شادی اس نے چھم جی چانگ لانگبا سے کر دی۔ وہ دیو کے گھر میں رہنے لگا اور کھیتی باڑی میں اس کا ہاتھ بٹانے لگا۔ جب جنگل کاٹنے کی باری آئی تو دیو نے چھم جی چانگ لانگبا سے کہا کہ جا کر سارے گاؤں والوں کو جنگل کاٹنے کے لیے بلا لاؤ۔ جب چھم جی چانگ گاؤں والوں کو اکٹھا ہونے کے لیے کہہ کر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ دیو دوسرے دن کے لیے کھانا تیار کر رہا ہے۔ اس نے چھم جی چانگ لانگبا سے ایک جنگلی سور کو پکڑ کر مارنے کو کہا۔ اس نے ایک ہاتھ سے سور پکڑ لیا۔ مگر وہ دوسرے ہاتھ سے اسے باندھنے میں بے بس تھا۔ چھم جی چانگ کی بیوی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ دیو اس کا امتحان لے رہا ہے۔ وہ چاول کوٹ رہی تھی۔ اپنے شوہر کی واضح طور پر امداد نہیں کر سکتی تھی۔ پھر بھی اس نے نزدیک بانس پر دو چوٹیں لگا دیں۔ جس سے وہ بانس پھٹ گیا۔ چھم جی چانگ نے وہ بانس اٹھا لیا اور اسے چیر کر سور کے پیروں کے درمیان پھنسا دیا۔ پھر اس نے اس کے چاروں پاؤں پکڑ کر باندھ دیئے اور سور کو مار ڈالا۔

دیو نے اگلے دن صبح چھم جی چانگ لانگبا سے کہا کہ وہ گاؤں کو آنے کی بات یاد دہانی کرا دے۔ وہ گیا لیکن اس کے برعکس اطلاع دے آیا۔ اس نے گاؤں والوں کو جنگل میں آنے کے لیے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ

دیو نے اپنا خیال بدل دیا ہے۔ گاؤں سے لوٹ کر وہ دیو کے ساتھ
جنگل میں چلا گیا۔ دونوں دن بھر بیٹھے رہے۔ مگر وہاں کوئی نہیں آیا۔
جب دیو مایوس ہونے لگا تو چھم جی چانگ لانگبا نے اُسے گھر جانے کو کہا
اور یقین دلایا کہ اگر گاؤں والے تو وہ ان سے کام کرا لے گا۔

دیو نے جانے کا بہانہ کیا لیکن گیا نہیں وہ چھپ کر دیکھنا چاہتا تھا
کہ چھم جی لانگبا کیا کرتا ہے۔

جب اس نے دیکھا کہ چھم جی چانگ نے پورا سور اور پورے گاؤں
کا کھانا اکیلے کھا لیا ہے اور منہ پونچھتا ہوا گاؤں کی طرف چل دیا ہے تو
اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس نے گھر پہنچ کر دیو کو بتایا کہ اس کے جانے کے بعد گاؤں کے
لوگ آئے تھے جن سے اس نے کام لے لیا اور اس کے بدلے میں کھانا
کھلا دیا۔ دیو نے اس کی بات چپ چاپ سن لی اور اپنی بات دل
میں رکھی۔ اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ ایسے خطرناک آدمی کو
ختم کر دینا ہی مناسب ہوگا۔ لہٰذا وہ اگلے دن اُسے لے کر جنگل میں
پہنچا۔ وہاں اس نے چھم جی چانگ کو بنا دھار اور دستے کی داؤ یعنی تلوار
دی اور درخت کاٹنے کو کہا۔ چھم جی چانگ درخت پر چڑھتا گیا مگر
اس کے چھوئے بغیر ہی درخت کی ٹہنیاں خود بخود گرتی رہیں۔ دیو نے

نیچے سے درخت کو آگ لگادی۔ چم جی چانگ لانگیا چالاکی سے درخت پر کود کر بھاگ گیا۔ دیو نے اسے بھاگتے نہیں دیکھا اور درخت کے موٹے تنے کو اس کی ہڈی سمجھ لیا۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہو کر گھر لوٹ آیا۔ چم جی چانگ کو دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی۔

دیو کو علم تھا کہ اس کے داماد کو سور کا گوشت بہت پسند ہے۔ اس لیے اس نے اگلے دن سور کا گوشت پکایا۔ مگر ہر ٹکڑے میں کانٹے رکھ دیئے تاکہ وہ اس کے جسم میں جا کر چبھ جائیں اور وہ مر جائے۔

چم جی چانگ گوشت چکھتے ہی سسر کی ساری چال سمجھ گیا۔ لیکن وہ بھی کچھ کم چالاک نہ تھا۔ اس نے تمام کانٹے اپنے گلے میں دبا لیے اور بعد میں ایک پتی پر اُگل دیئے۔ یہ پتی "کاموآم" کہلاتی ہے۔ آج بھی اس میں سوراخ نظر آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ چم جی چانگ کے ذریعہ اگلے گئے کانٹوں کی وجہ سے ہوئے تھے۔

چم جی چانگ لانگیا نے اپنے سسر سے کہا: "سسر جی آپ مجھے نہیں مار سکتے۔ دیکھا! میں نے آپ کی تمام کوششیں ناکام کر دیں!" ایسا کہہ کر وہ اپنے خسر کا گھر چھوڑ کر اپنے گھر لوٹ آیا۔

چم جی چانگ لانگیا کے گاؤں کے قریب میں نہایت خطرناک پھلی ہوتی تھی۔ اسے کوئی توڑ نہیں سکتا تھا۔ چم جی چانگ نے اپنی داؤ کے ایک ہی وار سے پھلی کو چیر کر دریا میں بہا دیا۔

یہ پھلی بڑھ کر بڑی ہو گئی۔ بہتے بہتے یہ آسام پہنچی۔ آسام کے لوگوں نے اتنی بڑی پھلی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ کئی لوگ اُٹھا کر اسے آسام کے راجہ کے پاس لے گئے۔

راجہ نے پوچھا یہ کس بہادر کا کام ہے! لوگوں نے بتایا مہاراج! چونکہ یہ پھلی پہاڑوں سے بہہ کر آئی ہے۔ اس لیے یہ کام چھم جی چانگ کے سوا کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔" چھم جی چانگ لانگبا اب تک بہادری کے کارناموں کی وجہ سے بہت مشہور ہو گیا تھا۔ راجہ نے چھم جی چانگ کو بلا بھیجا۔ اس نے جواب دیا کہ اگر مہاراج مجھے بلانا چاہتے ہیں تو سارے راستے میں تلواریں گاڑ دیں۔ راجہ نے ایسا ہی کیا۔ لہٰذا تلواروں کے راستے یہ چڑیا کی طرح پھدکتا ہوا چھم جی چانگ لانگبا راج دربار میں جا پہنچا۔

آسام کے راجہ نے اسے کئی طرح سے نیچا دکھانا چاہا۔ اس نے شرط لگائی کہ اسامی اور چھم جی چانگ ایک دوسرے کے سامنے کھانا کھائیں۔ جس کے منہ میں پانی آئے اس میں قوت ارادی کی کمی تصور کی جائے گی اور وہ ہار جائے گا۔

چھم جی چانگ تیار ہو گیا۔ اسامیوں نے لذیذ ترین کھانا تیار کرایا اور وہ چھم جی چانگ کے سامنے کھانے لگے۔ مگر اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب چھم جی چانگ کی باری آئی۔ اس نے ٹانگبو نامی بیری نکالی اور اُسے

کھانے لگا۔ یہ بیری اتنی کھٹی ہوتی ہے کہ اسے دیکھتے ہی لوگوں کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ کسی کو یہ بیری کھاتے دیکھ کر دیکھنے والوں کے منہ خود بخود کھٹے ہونے لگتے ہیں۔ جس سے اُن کے منہ میں پانی آنے لگتا ہے۔ اسامیوں کا بھی یہی حال ہوا۔ آخر وہ شرط ہار گئے۔

راجہ نے چھم جی چانگ لانگبا پر دوسری شرط عائد کر دی کہ اسامی اور چھم جی چانگ لانگبا دونوں پل بنائیں۔ جس کا پل زیادہ مضبوط ہوگا۔ وہی جیت جائے گا۔

چھم جی چانگ نے پتلے پتلے بید کا پل بنایا۔ لیکن اسامیوں نے اینٹ گارے کا مضبوط پل تعمیر کیا۔ اس بار بھی چھم جی چانگ نے چالاکی دکھائی اس نے اپنی جیب میں بہت سی چرمر کرنے والی کی چڑیاں بھر لیں جن کے پر پھڑ پھڑانے سے "چرمر" کی آواز ہوتی ہے۔ جونہی راجہ اسامیوں کے پل پر آیا۔ چھم جی چانگ نے چڑیوں کو جیب میں سے ہلا دیا اور ان کے پر پھڑ پھڑانے لگے اور پروں کی اس پھڑ پھڑاہٹ کے ساتھ ہی زور زور سے چرمر کی آواز آنے لگی اور چھم جی چانگ چلانے لگا "ہائے پل ٹوٹ گیا۔ ہائے مرا۔" راجہ ڈر کے مارے پل پار نہ کر سکا۔ اس طرح وہ آسامیوں سے دوسری بار بھی شرط جیت گیا۔

راجہ نے پھر اعلان کیا۔ "اچھا چلو۔ تیسری اور آخری شرط لگا دیتے

ہیں۔ جو یہ شرط جیتے گا واقعی "اجیت" سمجھا جائے گا اور اسے انعام واکرام سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ اس نے شرط رکھی کہ اسامی اور چھم جی چانگ کھانا تیار کریں جس کا کھانا پہلے ختم ہو گا وہ ہار جائے گا۔

اسامیوں نے بڑے بڑے برتنوں میں کھانا تیار کیا۔ مگر چھم جی چانگ نے ایک انڈا توڑا اور اس کے چھلکے کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ اس نے ایک حصے میں چاول اور دوسرے حصے میں گوشت تیار کیا۔ اسامی اس کے اس اقدام کا مذاق اُڑانے لگے۔ چھم جی چانگ کچھ نہ بولا۔ اسامیوں کا سارا کھانا اس نے ختم کر دیا۔ مگر اسامی اس کا کھانا ختم نہ کر سکے۔ جادو کے زور سے اس کے انڈے کے چھلکے میں کھانا بھرتا ہی جاتا۔ اسی لیے اسامیوں کو پھر اپنی شکست تسلیم کرنی پڑی۔

اس کے بعد راجہ نے چھم جی چانگ لانگبا کو سوئیوں اور تلواروں پر نچایا۔ مگر اُس کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کلہاڑیوں پر ناچتے ہوئے اُس کے جسم کا ایک عضو کٹ گیا اور اس میں سے خون بہنے لگا۔ اسامیوں نے اس کا لہو اپنے جسم پر ملنا شروع کر دیا جس سے اسامیوں کی طاقت بڑھ گئی اور چھم جی چانگ کی قوت کم ہو گئی۔

اسامیوں نے مار ڈالنے کے لیے چھم جی چانگ کا پیچھا کیا مگر وہ چھپکلی بن کر ایک درخت پر چڑھ گیا اور ایک پتی میں چھپ گیا۔ اسامیوں نے

اس درخت کی تمام پتیاں کاٹ ڈالیں۔ مگر ایک پتی بچ گئی۔ اسی میں چھپا
تھا۔ آخر چھم جی چانگ لانگبا بھیڑ بن کر "آگر" نامی درخت پر چھتہ بنا کر رہنے
لگا۔ ایک دن ایک اسامی عورت جنگل میں لکڑیاں کاٹنے آئی۔ اس نے
جلدی جلدی لکڑیاں کاٹیں اور اس کا گٹھا بنا لیا۔ اس میں اس درخت
کی وہ لکڑی بھی کٹ گئی جہاں چھم جی چانگ چھپا تھا۔ اس نے تمام لکڑیوں کو
جلانے کے لیے انھیں چولھے میں جھونک دیا۔ جب لکڑیوں کو آگ لگی
تو اس کے ساتھ چھم جی چانگ لانگبا بھی جلنے لگا۔ لیکن جونہی اس کے جسم
کو آگ لگی، لکڑی میں سے ایک جیوتی نکلی اور وہ تارہ بن کر آسمان کی
طرف چلی گئی۔

آج بھی "لونگ چھمکا" نامی تارا آسمان پر چاند کے قریب چمکتا
نظر آتا ہے۔

هریانہ

ایک لاکھ کا چکّر

ایک شہر میں ایک بہت بڑا بھکاری رہتا تھا وہ ہمیشہ وہاں کے شیومندر کے سامنے بیٹھ کر بھیک مانگا کرتا تھا۔

ایک بار بھگوان شنکر اپنے بیٹے گنیش جی اور اس کے ساتھ پاروتی جی بھی تھیں، اس مندر میں درشن کرنے آئے۔ اس بھکاری کو دیکھ کر پاروتی جی کا دل بھر آیا۔ انھوں نے کہا۔

"بھولے ناتھ! اس بے چارے بھکاری کی بھی کچھ مدد کر دیجیے۔"

"شیو جی نے اپنے بیٹے گنیش کی طرف دیکھا۔ ان پر کچھ کرنے کی ذمہ داری ڈالتے ہوئے کہا۔

"دس دن کے اندر اندر اس بھکاری کو ایک لاکھ روپیہ دے دو۔"

"جو حکم پتا جی۔" گنیش جی نے کہا۔

مندر میں ہونے والی اس بات چیت کو ایک کنجوس سیٹھ بھی باہر

بیٹھا چوری چھپے سن رہا تھا۔ وہ مندر میں پوجا کرنے آیا تھا۔ سب باتیں سن کر وہ کنجوس چپ چاپ بھکاری کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "اگر تم دس دن کی بھیک مجھے دیتے جاؤ تو میں تمھیں پچاس روپے دے دوں گا۔"

بھکاری کو بھی علم تھا کہ یہ شخص سیٹھ ہوتے ہوئے بھی بڑا کنجوس ہے لہٰذا وہ اس کی یہ بات سن کر بڑا حیران ہوا۔ اس نے سوچا یہ تو چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے کے اصول پر چلتا ہے کسی کو ایک پائی تک دینے کا روادار نہیں۔ آج یہ اکٹھے پچاس روپے مجھے دینے کے لیے کیسے تیار ہو گیا۔ اس میں ضرور کوئی نہ کوئی راز ہے۔

یہ سوچ کر بھکاری نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن کنجوس سیٹھ تو بھکاری کو ملنے والے ایک لاکھ روپے کی تاک میں تھا۔ وہ یہ روپیہ خود ہڑپ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس لیے اس نے پچاس روپے کی رقم کو بڑھانا شروع کر دیا۔ بڑھاتے بڑھاتے وہ پچاس ہزار تک جا پہنچا۔ مگر بھکاری اب انکار نہ کر سکا۔ اس نے سیٹھ سے کہا۔ "اچھا۔ مجھے پچاس ہزار روپیہ دے دو۔ میں دس دن کی کمائی آپ کو دے دوں گا۔"

سیٹھ نے پچاس ہزار روپے بھکاری کو دے دیئے۔

آخر دسواں دن آگیا۔ سیٹھ علی الصبح ہی گنیش جی کی طرف سے

بھکاری کو دیا جانے والا ایک لاکھ روپیہ حاصل کرنے کے لیے مندر میں جا پہنچا۔ ابھی تک مندر کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔ اس کنجوس سیٹھ نے اپنا کان دروازے پر لگا دیا۔ وہاں شیوجی! گنیش جی اور پاربتی جی آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ وہ دیوتاؤں میں ہونے والی گفتگو سننے کی کوشش کرنے لگا۔ مندر میں پاربتی جی گنیش جی سے پوچھ رہی تھیں۔

"بیٹا! کیا تم نے اس بھکاری کو ایک لاکھ روپیہ دے دیا ہے۔"

"ہاں ماتا جی! پچاس ہزار تو اُسے مل گئے ہیں۔ باقی آج مل جائیں گے۔" گنیش جی نے جواب دیا۔

"ایک کنجوس سیٹھ باہر دروازے پر کان لگائے ہماری بات چیت سن رہا ہے۔ وہ بھکاری سے ایک لاکھ روپیہ لینے کے چکر میں ہے۔ وہ جب تک باقی پچاس ہزار روپے بھی بھکاری کو لاکر نہیں دے دے گا۔ اس کے بدلے میں اس سے کچھ نہیں لے گا۔ اس وقت تک اس کا کان مندر کے دروازے پر چپکا رہے گا۔ روپیہ دینے پر ہی اس کا چھٹکارا ہو سکتا ہے۔"

یہ سن کر سیٹھ جی کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اس نے وہاں سے

بھاگنا چاہا مگر دروازے پر اس کا کان چپکا ہوا تھا۔ کان چھوٹے تو بھاگے۔ اس نے لاکھ کوشش کی مگر سب بے سود۔

آخر کار ہار کر سیٹھ نے بھکاری سے کہا۔ "تم ذرا میرے بیٹے کو بُلا دو۔" بیٹا آیا۔ باپ کی بات سن کر اور دروازے پر چپکا کان دیکھ کر وہ فوراً گھبرا گیا اور پچاس ہزار روپے لاکر بھکاری کو دے دیئے اور پوری رقم کا کوئی عوضانہ طلب نہ کیا۔ روپیہ بھکاری کے ہاتھ آتے ہی کنجوس سیٹھ کا کان خود بخود دروازے سے چھٹ گیا۔

ہماچل

چالاک خرگوش

ایک روز ایک بھیڑیا، کوّا اور خرگوش سڑک پر جارہے تھے راستے میں اُنھیں ایک مردہ لاما کی لاش نظر آئی۔ کسی حادثے کی وجہ سے اس کی موت ہوگئی تھی۔ ایک گٹھڑی اور ایک مالا اس کی لاش کے قریب رکھی تھی۔ تینوں دِوستوں نے لاش کو دیکھا اور سمجھ لیا کہ لاما مرچکا ہے۔ لہٰذا انھوں نے ان کی تمام چیزیں خود لے لینے کا فیصلہ کرلیا۔ اس پر خرگوش نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ "دوستو! جو کچھ آپ چاہیں لے لیجیے اور باقی جو کچھ بچے میرے لیے چھوڑ دیجیے۔"

بھیڑیا اور کوّا دونوں حیرت زدہ تھے۔ اُنھیں یہ معلوم تھا کہ کون سی چیزیں اُن کے کام آسکتی ہیں۔ تاہم اُنھیں اپنے دوست خرگوش کے جذبۂ ایثار کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ انھوں نے یہ سمجھا

کہ خرگوش اُن سب میں عقلمند اور دانا ہے اور بے غرض بھی۔ اسی لیے انھوں نے تمام اشیاء کی تقسیم کا فیصلہ خرگوش کو سونپ دیا۔ اور بھیڑیے نے کہا۔ "خرگوش بھائی! تم ہم سب میں عقلمند ہو اور تم خود غرض بھی نہیں ہو کیونکہ تمھیں نے ہمیں پہلے اپنی پسند کے مطابق چیزیں چن لینے کا اختیار دیا۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں تم ہی اپنے ہاتھوں سے بانٹو۔" کوّے نے بڑے زور سے کائیں کائیں کرکے بھیڑیے کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا۔

خرگوش پہلے تو یہ کڑا کام انجام دینے کے لیے آمادہ ہی نہ ہوا۔ آخر کار کافی کہنے سننے کے بعد وہ رضامند ہو گیا اور اس نے بھیڑیے سے کہا۔ "بڑے بھائی آپ بہت بڑے شکاری ہو۔ آپ کو اکثر شکار کی تلاش میں دور دور تک جانا پڑتا ہے۔ اس لیے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ فر کی لائننگ والے یہ لمبے تبتی جوتے تم لے لو۔ یہ سردی کے موسم میں جب کہ ہر جگہ برف ہی برف ہوتی ہے بہت کام آئیں گے۔" بھیڑیے کو یہ تجویز پسند آئی اور وہ یہ سودمند اور کارآمد چیز لے کر بہت خوش ہوا۔

اس کے بعد خرگوش کوّے سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔ "بھیا جی! اگرچہ آپ شکار وکار نہیں مارتے لیکن پھر بھی دانے دنکے کے لیے کافی دور دور تک اُڑانیں بھرنی ہی پڑتی ہیں۔ کئی بار آپ پر حال

بھی طاری ہو جاتا ہو گا۔ اس حالت میں پیٹ بھرنے کے لیے کوئی نہ کوئی جتن تو کرنا ہی پڑتا ہو گا۔ تبھی یہ مالا بھگتی اور ریاضت کے علاوہ مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کی پیشن گوئی کے لیے استعمال کیا کرتے ہیں۔ اب یہ آپ کے بہت کام آئے گی۔ یہ مالا آپ اپنے گلے میں ڈال لیجیے اور پھر دیکھیے اس کا کمال! اس سے آپ اپنے پالن ہارے کو بھی پا لوگے جو آپ کے اندر رہی ہے لیکن صرف آنکھوں سے اوجھل ہے۔"

کوّا یہ تحفہ لے کر بہت خوش ہوا۔ اسے یہ یقین تھا کہ آئندہ خوراک کی تلاش آسان ہو جائے گی۔

اس کے بعد خرگوش گٹھڑی کی جانب مڑا۔ اب صرف اس میں صرف ایک ہی چیز رہ گئی تھی۔ اس نے اس کی جانب حقارت سے دیکھتے ہوئے اپنے دوستوں سے کہا۔ "اب تو یہ صرف بے کار سی پوٹلی ہے۔ اگر آپ کہیں تو اسے میں لے جاؤں۔"

دونوں دوست اس مناسب اور واجب تقسیم پر بہت خوش تھے۔ اس طرح وہ ہنستے کھیلتے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

ادھر خرگوش ایک بہت بڑی چٹان کے پیچھے کسی خفیہ مقام پر جا چھپا اور کئی روز تک اس پوٹلی میں بندھی خوراک مزے لے لے کر کھاتا رہا۔ جلد ہی سردی کا موسم آگیا۔ پہاڑوں اور سبزہ زاروں پر

ہر جگہ برف ہی برف نظر آنے لگی۔ بھیڑیے نے سوچا کہ فر کے نئے
تبتی جوتے پہن کر چلنے کا یہ بہت اچھا موقعہ ہے۔ ایک روز صبح کا سہانا
وقت تھا۔ اس نے سوچا کہ فر کے نئے جوتوں کی ٹرائی کرنے کا اس سے
بہتر موقع اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس نے بڑے شوق سے جوتے پہنے لیکن
تبھی اُسے محسوس ہوا کہ وہ بہت بوجھل اور بھاری ہیں۔ اور چلنے
میں بہت دقت پیش آرہی ہے۔ مگر آخر کار اس نے جوں توں کر کے
انھیں پہننے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ ابھی وہ بمشکل تمام چند گز ہی چلا ہوگا
کہ اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گہری ڈھلان کی جانب لڑھک گیا۔
خوش قسمتی سے اس کی جان بچ گئی لیکن اس کے انجر پنجر ڈھیلے ہوگئے
اور اس کے جسم پر کئی خراشیں آگئیں۔ وہ اس غلط تقسیم پر خرگوش کو
رہ رہ کر کوسنے لگا۔ اس نے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ اس نے وہ فر کے
تبتی جوتے اتارے اور لنگڑاتا ہوا اپنے گھر کی جانب روانہ ہوگیا۔

کوّا بھی اپنی مالا کے باعث ایک حادثے کا شکار ہوگیا۔ ایک
روز وہ ایک درخت کی ٹہنی پر مالا پہنے بیٹھا تھا۔ وہ دانے دنکے کے
تصور میں تھا۔ اس پر اسی کا جادو چھایا ہوا تھا کہ اچانک وہ درخت
کی ٹہنی سے پھسل گیا۔ اس کی مالا ایک اور ٹہنی میں پھنس گئی اور اس
سے اس کا گلا قریب گھٹنے لگا۔ قسمت اچھی تھی کہ موت سے

منہ سے بال بال بچ گیا۔ وہ بھی خرگوش کو کوسنے لگا اور اس سے بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا۔

کچھ عرصہ بعد کوے اور بھیڑیے کی مڈبھیڑ ہو گئی ان دونوں نے اپنی اپنی بپتا سنائی شروع کر دی۔ وہ دونوں اس بات پر متفق تھے کہ خرگوش نے ان کے ساتھ ضرور کوئی چال چلی ہے۔ انھوں نے اسے تلاش کر کے سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

کئی روز کی تلاش کے بعد انھیں خرگوش مل گیا۔ دور سے خرگوش نے انھیں آتے دیکھا۔ اس نے بھانپ لیا کہ ضرور کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ اس نے فوراً اپنی ناک کو ایک چٹان سے رگڑنا شروع کر دیا تاکہ لہو نکل آئے۔ پھر وہ زمین پر لیٹ گیا اور آسمان کی جانب نیم وا آنکھیں کیے کراہنے لگا۔

جب کوا اور بھیڑیا آگ بھبوکا خرگوش کے قریب آئے تو بھیڑیے نے کہا۔" ابے او خرگوش کے بچے! ہمیں تیری مکاری کا پتہ چل گیا ہے۔ ہم آج تجھے اس کا مزہ چکھا کر رہیں گے۔"

لیکن خرگوش زمین پر لیٹ کر کراہتا رہا۔ بھیڑیے اور کوے دونوں خرگوش پر گالیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی لیکن خرگوش تھا کہ اٹھنے کے بجائے اور زیادہ زور سے کراہنے لگا۔ آخر انھوں نے پوچھ ہی لیا کہ معاملہ کیا ہے۔

خرگوش نے جواب دیا۔ "بھائیو۔مردہ لامہ کے سامان کی جو پوٹلی میرے حصے میں آئی اس پر کوئی منحوس سایہ تھا۔ بدبختی میرا پیچھا کر رہی تھی۔ اچانک ڈاکوؤں نے مجھ پر حملہ کر دیا اور وہ پوٹلی مجھ سے چھین کر بھاگ گئے اور انھوں نے مار مار کر میرا بھرکس نکال دیا۔"

خرگوش کی یہ بات بھیڑیے اور کوّے کے دل کو لگ گئی اور وہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ ہم بے چارے خرگوش پر ناحق الزام دھر رہے تھے۔ دراصل اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ واقعی مردہ لامہ کے سامان پر منحوس سایہ تھا۔ تبھی ان دونوں نے خرگوش کو اپنی اپنی بپتا سنائی۔

سب اس بات پر متفق تھے کہ کسی بھی مردہ لامہ کی کسی چیز کو چھونا نحوست کو دعوت دینے کے برابر ہوتا ہے۔ چٹان کی رگڑ سے خرگوش کی ناک کے عین بیچوں بیچ کاٹے کا ایک نشان پڑ گیا تھا۔ کہتے ہیں وہی نشان آج بھی ہر خرگوش کی ناک کے درمیان نظر آتا ہے جو اس کی چالاکی کی یاد دلاتا رہتا ہے۔